فہرست

لمعات:

اور عیّار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش	ادارہ	3
میونخ کا ''قرآن محل'' اور آرتھر جیفری کی سازش	ابوانیس	5
بین المذاہب مکالمہ کے لئے ایک نئی دینیات کی ضرورت	راشد شاز	14
ایک اچھے لیڈر کا قرآنی معیار	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	23
مولانا بے کنار گڑگانوی سے ایک گفتگو	عطاء الحق قاسمی	30
ایمان سے ایقان تک	جمیل احمد عدیل، بورے والا	35
سوچ اور عمل	آصف جلیل، کراچی	40
فتویٰ کی حقیقت	ادارہ	44

ENGLISH SECTION

LAWS OF NATURE

By Maj Gen (Rtd) Ihsan-ul-Haq 1

ISLAM AND MEDICINE

By Dr. Saba Anwar 12

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ادارہ)

لمعات

اور عیّار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش

افراد ہوں یا اقوام' ان کی زندگی کا راز محاسبۂ خویش (Self-Criticism) میں مضمر ہوتا ہے۔ اگر کوئی فرد اپنے محاسبہ کی طرف سے غافل ہو جائے تو اسے معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ اسے اندر ہی اندر کون سی بلائیں گھن کی طرح کھا رہی ہیں۔ اسی طرح اگر ایک قوم محاسبہ خویش سے آنکھیں بند کر لے تو وہ اپنے آپ کو خطرات سے محفوظ رکھ ہی نہیں سکتی۔ ہم نے صدیوں سے محاسبۂ خویش کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم پر جب کوئی حادثہ گزرتا ہے تو بجائے اس کے کہ ہم یہ سوچیں کہ ہم میں وہ کون سی کمزوری تھی جس کی وجہ سے ہم اس مصیبت کی آماجگاہ بن گئے۔ ہم فریق مخالف کو کوسنے بیٹھ جاتے ہیں۔۔۔ بغداد کی تباہی' ہماری تاریخ کا بہت بڑا الم انگیز حادثہ تھا لیکن ہم اس سے اتنا کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ یہ سب تاتاریوں کی وحشت سامانیوں اور ہلاکت آفرینیوں کی وجہ سے ہوا۔ ہلاکو بڑا ظالم' وحشی اور خونخوار تھا۔ گویا اس تباہی میں ہمارا کوئی قصور نہیں تھا۔ جرم سارا ہلاکو کا تھا۔ یا مثلاً۔۔ جب ہندوستان میں 1857ء کی انقلاب انگیز تباہی ہمارے سامنے آتی ہے تو ہم اپنا سارا زور یہ ثابت کرنے میں صرف کر دیتے ہیں کہ انگریز بڑا عیار تھا' ہندو بڑا غدار تھا۔۔۔ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ ہم میں وہ کونسی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں جن کی وجہ سے ہم انگریز کی عیاری اور ہندو کی غداری کا شکار ہو گئے۔ یاد رکھئے! جس کے اپنے اندر زندہ رہنے کی قوت ہے' اسے باہر کا کوئی دشمن مار نہیں سکتا۔ دشمن تو صرف فریق مخالف کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ گِدھ' جانوروں کی لاش پر امنڈ کر آتے ہیں۔ زندہ جانوران کی......آنکھوں کے سامنے چلتے پھرتے رہتے ہیں' وہ ان پر جھپٹنے کی کبھی جرأت نہیں کرتے۔ موت خود ہمارے اپنے اندر سے اُبھرتی ہے۔ باہر سے تو اس کے صرف محسوس اسباب پیدا ہوتے ہیں۔۔۔۔ جب تک پرندے کے بازوؤں میں اُڑنے کی قوت ہے' کوئی شکاری اسے اپنے جال میں نہیں پھنسا سکتا۔ لیکن ؎

جہاں بازو سمٹتے ہیں' وہیں صیّاد ہوتا ہے

فطرت کا اٹل قانون یہ ہے کہ ؎

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!

اور یہ تفسیر ہے اس اصل الاصول کی جسے خدا نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

إِنَّ اللّهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنْفُسِهِمْ (13:11)-

یہ حقیقت ہے کہ خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنے اندر تبدیلی نہ پیدا کر لے۔

دوسری جگہ کہا کہ:

وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (42:30)-

تم پر جو مصیبت بھی آتی ہے وہ خود تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے۔

اس لئے ہم پر جب کوئی مصیبت آئے تو ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ ہمارے اندر وہ کون سی خرابی اور کمزوری تھی جس کی وجہ سے ہم اس طرح گرفتار بلا ہوگئے۔

پھر ہم میں سے اکثر لوگ یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ صاحب! بات یہ ہے کہ مسلمان بڑا صاف دل واقعہ ہوا ہے اس لئے یہ دھوکا کھا جاتا ہے لیکن دھوکا کھا جانا کون سی خوبی ہے؟ فطرت کی میزان میں جس طرح دھوکا دینا جرم ہے اسی طرح دھوکا کھانا بھی جرم ہے۔ جب حضرت عمرؓ کے سامنے ایک شخص نے کہا تھا کہ مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہ کسی کو دھوکا نہیں دیتا' تو آپ نے کہا تھا کہ بات ادھوری نہ چھوڑو۔ اسے پورا کرو۔۔۔ مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہ نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے' نہ کسی سے دھوکا کھاتا ہے۔ مسلمان میں صفاتِ خداوندی منعکس ہونی چاہئیں۔ خدا کسی کو دھوکا نہیں دیتا اور کوئی شخص خدا کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ خدا نے' اس سلسلہ میں جماعتِ مومنین کو خود اپنے ساتھ قوسین (Brackets) میں رکھا ہے۔ جب کہا ہے کہ۔۔۔ **يُخَادِعُونَ اللّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا**۔۔۔ یہ لوگ خدا کو اور مومنین کو دھوکا دینا چاہتے تھے۔۔۔ **وَمَا يَخْدَعُونَ إِلاَّ أَنفُسَهُم**۔۔ (2:9)- یہ لوگ فریبِ نفس میں مبتلا ہیں۔ یہ خدا اور مومنین کو دھوکا نہیں دے سکتے'۔۔ اس لئے کسی سے دھوکا کھا جانا' خوبی کی بات نہیں۔ ہماری یہی کمزوری تھی اور ہے جس کی بنا پر اقبالؔ نے کہا تھا کہ ؎

مجھ کو ڈر ہے کہ ہے طفلانہ طبیعت تیری
اور عیّار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش

☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوانیس

میونخ کا ''قرآن محل'' اور آرتھر جیفری کی سازش

نوٹ: یہ مضمون جدید و قدیم علوم سے آگاہ ایک محقق عالم و فاضل کی تحقیقی نگارشات سے منتخب حقائق پر مشتمل ہے جو ماھنامہ رشد لاہور، جون 2009ء کے خصوصی شمارے ''قراءات نمبر...... حصہ اول'' میں شائع ہوا ہے۔ اقتباسات کے درمیان محض ربط رکھنے کے لئے میں نے اپنے الفاظ شامل کئے ہیں۔ (ابوانیس)

ماہنامہ ''رُشد'' بابت ماہ جون 2009ء ''اختلاف قراءات قرآنیہ اور مستشرقین (آرتھر جیفری کا خصوصی مطالعہ)'' کے عنوان سے محترم ڈاکٹر محمد اکرم چودھری صاحب کا مضمون شائع ہوا۔ اصل مقالہ انگریزی زبان میں بعنوان "Orientalism on variant Reading of the Quran: The case of Arthur Jaffery" تحریر ہوا جسے ادارہ علوم اسلامیہ و عربیہ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے پروفیسر محترم علی اصغر سلیمی صاحب نے اردو زبان میں ترجمہ کر کے عوامی سطح پر قابلِ فہم بنا دیا۔ مقالہ نگار علمی و تحقیقی حلقوں میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں اور سرگودھا یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے اہم منصب پر فائز ہیں۔ آپ نے جس تحقیق و تدقیق اور محنت و عرق ریزی سے ایک مستشرق کے خیالات و افکار کا تجزیہ کیا یقیناً وہ ایک قابلِ ستائش کاوش ہے۔ اس مستشرق کا مختصر تعارف خود ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالہ میں یوں کروایا:

> ''آرتھر جیفری ایک آسٹریلوی نژاد امریکی مستشرق ہے اس نے قرآنِ حکیم کے دیگر مختلف پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کی مختلف قراءتوں پر بھی قابلِ ذکر کام کیا ہے............ آرتھر جیفری کے علمی کاموں میں نمایاں ترین کام Materials for the History of the text of the Quran ہے جو ای۔ جے۔ برل (E.J.Brill) نے لیڈن سے 1937ء میں جاری کیا۔ یہ ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد سلیمان السجستانیؒ (متوفی 316ھ) کی کتاب ''المصاحف'' کے ساتھ پیش کیا گیا جس کو آرتھر جیفری نے مدون کیا۔''

(ماہنامہ رشد، جون 2009ء، صفحہ 392، سطور 1 تا 6)

آرتھر جیفری (1892-1959) میلبورن' آسٹریلیا میں پیدا ہوا عیسائیوں کے مذہبی فرقے پروٹسٹنٹ سے اس کا تعلق تھا۔ سامی زبانوں (Semetic Languages) کے استاد کی حیثیت سے شروع میں اورنٹیل سٹڈیز قاہرہ سے منسلک ہوا پھر بطورِ استاد کولمبیا یونیورسٹی اور یونین تھیولوجیکل سیمینری نیویارک سٹی سے وابستگی اختیار کی۔ مختلف عنوانات کے تحت قرآن سے متعلق چھ اہم کتب لکھیں۔ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ میں ان کی مختصر تفصیل یوں ہے:

''آرتھر جیفری نے بائبل کی تعلیمات پر گراں قدر کام کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کے بارے میں بھی تحقیقی کام جاری رکھا چنانچہ اختلاف قراءات قرآنیہ کے موضوع کے ساتھ ساتھ اس نے قرآنِ حکیم کے دیگر پہلوؤں' مثلاً قرآن میں استعمال ہونے والے غیر عربی الفاظ (Foreign Vocabulary of the Quran) تدوینِ قرآن اور قرآن کے یہودی وعیسائی ماخذ جیسے موضوعات پر بھی خامہ فرسائی کی۔ اس نے چند منتخب سورتوں کے تراجم بھی کئے جس میں اس نے ان سورتوں کی ترتیبِ نو کو متعارف کرایا تاکہ وہ ''بزعم خود' حضرت محمد ﷺ کی فکر میں ارتقاء کو ثابت کر سکے۔''

(ایضاً' صفحہ 392-393)

محولہ اقتباسات میں جو حقائق سامنے آئے ہیں ان میں سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ آرتھر جیفری کے قرآن سے متعلق اہم ترین مقالے کی اساس کتاب ''المصاحف'' ہے جو ابنِ ابی داؤد کی تصنیف ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ ''مصاحف'' (مصحف کی جمع) سے مراد کئی ''نسخہ جات'' جو اس کتاب کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے درمیان پائے جاتے تھے ابن ابی داؤد نے اپنی سند سے حضرت زیدؓ بن ثابت سے نقل کیا کہ رسول ﷺ نے اپنی زندگی میں قرآن جمع و یکجا نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک قرآن کی بجائے بہت سے مختلف المتون قرآن صحابہ و تابعین میں مروج تھے...... ابن ابی داؤد کا اصل نام ہی داؤد تھا اس لئے کہ جناب سلیمان السجستانیؒ جو سنن ابی داؤد (صحاح ستہ میں سے ایک کتاب) کے مؤلف تھے ان کی کنیت اپنے بیٹے داؤد کی وجہ سے ابوداؤد تھی صرف اپنے والد کی اس کنیت سے قلمی استفادے اور عوام میں اثر انگیزی کے لئے اپنے نام داؤد کی بجائے کنیت در کنیت بطورِ ''ابنِ ابی داؤد'' اپنے آپ کو متعارف کروایا تاکہ لوگوں پر اس خاص نسبت سے اپنی ''علمی وثاقت'' سے زیادہ ''پدری دبدبہ'' نمایاں ہو سکے یہ کتاب زیادہ پذیرائی نہ پا سکی اور ناپید ہو گئی۔ مگر اسے آرتھر جیفری نے ڈھونڈ نکالا اور مدون (Edit) کر کے اپنے مقالے کے ساتھ ہی چھپوا دیا۔ ابنِ

ابی داؤد نے احادیث کے مجموعوں میں سے صحابہؓ سے منسوب کلمی، حرفی اور حرکی اختلافات (تنوعات) اکٹھا کر کے 100 سے زیادہ صفحات پر مشتمل کتاب ''المصاحف'' لوگوں میں متعارف کروانے کی کوشش کی۔ یہ ذہن میں رہے کہ ابن ابی داؤد تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوئے اور چوتھی صدی ہجری (316ھ) میں وفات پائی۔ علاقے کی مناسبت سے ایران کے ایک شہر سجستان کی وجہ سے ان کے والد اور وہ خود سجستانی مشہور ہوئے۔ اگرچہ ابن ابی داؤد نے دس صحابہؓ سے منسوب مختلف مصاحف کا ذکر کیا ہے مگر ''آرتھر جیفری نے انہی مصاحف کو موجودہ قرآن کے ''مقابل نسخہ جات'' کے حامل بنا کر پیش کیا ہے۔'' (رشد' صفحہ 407' سطر 12)۔

آرتھر جیفری کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کے نزدیک قرآن حکیم کا حقیقی مقام و مرتبہ کیا ہے اس کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:

> ''عیسائیت بائبل کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام قرآن کے بغیر قطعی طور پر زندہ نہیں رہ سکتا۔''

(رشد' جون 2009ء' صفحہ 393' سطر 8-9)

لہٰذا اس نے مسلمانوں ہی کی مصنفہ کتابوں کو بنیاد بنا کر قرآن کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا مگر اس کے لئے ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ اپنے پورے تحقیقی پروگرام کو انہی ''مسلم سکالرز'' کی نگارشات کا رہین منت قرار دیا یا یوں اپنے تئیں اس نے ''اسلامیان عالم'' کے غیظ وغضب سے بچنے کا اہتمام کر لیا۔ ڈاکٹر صاحب نے جیفری کی کاوشوں کا پس منظر ایسے ہی لفظوں میں بیان فرمایا:

> ''اس نے قراءات کے یہ سارے اختلاف تفسیر' لغت' ادب اور قراءت کی کتابوں سے جمع کئے۔ اس کام کے لئے ابن ابی داؤد کی کتاب ''کتاب المصاحف'' اس کا بنیادی ماخذ رہی۔''

(رشد' صفحہ 393' سطر 13-14)

آپ نے جیفری کی ان مساعی کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا:

> ''اسلامی علوم کے ورثہ میں سے مختلف قراءتوں کی بنیاد پر 15 بنیادی اور 14 ثانوی نسخہ جات کو پیش کرنے کی کوشش کی اس نے 15 بنیادی نسخہ جات کو حضرات عبداللہ بن مسعودؓ ابی بن کعب' علی ابن ابی طالب' عبداللہ بن عباس' ابوموسیٰ اشعری' انس بن مالک' حفصہ' عمر بن خطاب' زید بن ثابت' عبداللہ بن زبیرؓ ابن عمرؓ عائشہؓ سالمؓ ام سلمہؓ عبید بن عمیر رضوان اللہ علیھم اجمعین کی جانب سے منسوب کیا۔''

(ایضاً' صفحہ 394' سطر 14 تا 18)

اگلے پیرے میں ثانوی نسخہ جات کی تفصیل ایسے ہے:

> ''اور بعض ثانوی نسخہ جات کو بھی چند تابعین کی جانب منسوب کیا جن میں سے کچھ کے اسمائے

گرامی درج ذیل ہیں:

ابوالاسود علقمہ' سعید بن جبیر' طلحہ' عکرمہ' مجہد (کتابت کی غلطی ہوئی یہ مجاہد ہے)' عطا بن ابی رباح' الاعمش' جعفر صادق' صالح بن کیسان اور الحارث بن صویب رحمہم اللہ''۔

(ایضاً' صفحہ 394' سطر 19 تا 21)

اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے صراحت کے ساتھ جیفری کے مذکورہ اصحابِ رسول و تابعین سے منسوب نسخہ جات کے دعوے کا بطلان فرمایا مگر ان حضرات سے منسوب ایک یا چند مقامات پر اختلافات کا ذکر اس پیرائے میں کیا:

''جیفری نے مصحف عثمانی میں موجود قراءات سے کسی ایک مقام پر یا چند مقامات پر اختلاف کی بناء پر مندرجہ بالا اصحاب کو مقابلِ قرآن کا حامل بنایا قطع نظر اس کے کہ اختلاف کرنے والے کو مصحف عثمانی کے نافذ و رائج ہو جانے کے بعد اپنی قراءت پر اصرار رہا یا اس نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔''

(ایضاً' صفحہ 394' سطر 24 تا 27)

ڈاکٹر صاحب کا فرمان حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ کسی کے یہاں اگر ایک مقام یا بعض مقامات پر قراءت کے حوالے سے اختلاف تھا بھی تو خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں سرکاری سطح پر شائع ہونے والے قرآن حکیم کے نسخے کے بعد کسی ایک کو اپنی بات پر اصرار نہ رہا یعنی بلا استثناء سب کے سب ایک ہی طرح کی قراءت و تلاوت پر متفق و متحد تھے........ بلکہ ڈاکٹر صاحب نے قطعی غیر مبہم الفاظ میں ارقام فرمایا:

''قرآن حکیم کو بائبل کی طرح کی ایک مقدس کتاب قرار دیتے ہوئے جیفری یہ باور کراتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے بھی اچھے مقاصد اور نیک نیتی کے ساتھ متن قرآن میں کچھ تبدیلیاں اور اس کی بہتری کے اقدامات تجویز کر دیئے ہوں گے بد قسمتی سے جیفری اس امر کا اندازہ نہیں کر سکا کہ قرآن حکیم کے متن میں کمی بیشی کرنا اسلامی نقطہ نظر سے اتنا بھاری جرم ہے کہ کوئی اس کے ارتکاب کا تصور بھی نہیں کر سکتا اگر بفرضِ محال کوئی ایک اس کا ارتکاب کر بھی بیٹھتا تو صحابہ کرامؓ کی جلیل القدر جماعت اسے قطعاً برداشت نہ کرتی۔''

(ایضاً' صفحہ 402' سطر 20 تا 24)

مگر جیفری اپنے زعم میں ان سے منسوب مختلف قراءات کی بنیاد پر قرآن کے مقابل کئی ''مصاحف یا نسخے'' ثابت کرنے میں بھرپور لگن اور محنت کے ساتھ مصروف رہا جس پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''اس امر کا تذکرہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ جیفری نے غیر تصحیح شدہ نسخہ جات سے جن اختلافی

قراءتوں کو نقل کیا ہے ان سب کی اسناد غیر مصدقہ ہیں وہ ایسی محکم ومتواتر اسناد کے ساتھ کوئی ایسی قابل ذکر اختلافی قراءت بھی نہ لا سکا جس کی سند محکم ومتواتر ہو جیسی محکم ومتواتر اسناد کے ذریعے ہم تک مصحف عثمانی پہنچا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ بعض اختلافی قراءتیں جو ہم تک پہنچی ہیں وہ لسانی اعتبار سے بھی ناممکن نظر آتی ہیں اور بعض اختلافی روایات میں ان کی سند ناممکن الوجود اور محال ہے جو زمانی اعتبار سے درست تسلیم نہیں کی جا سکتیں یا وہ روایت کے معروف اصولوں کے مطابق نہیں ہے۔''

(ایضاً صفحہ 401 سطر 24 تا 29)

اپنے نزول کے وقت سے جاری موجودہ قرآن کے مقابل کئی ''مصحف'' سامنے لانے پر جیفری کی سازش سے بھرپور کاوش پر ڈاکٹر صاحب کا یہ تبصرہ ملاحظہ ہو جو میرے نزدیک ''قول فیصل'' کا درجہ رکھتا ہے:

''جیفری اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود کہ قرآن حکیم میں اختلاف قراءت کی بحث زمانہ مابعد کے الٰہیات' لسانیات اور صرف ونحو کے ماہرین نے ایجاد کی اور اپنے نام اور کام کو اعتبار بخشنے کے لئے اسے دور اولیٰ کی مقتدر علمی شخصیات کی طرف منسوب کر دیا پھر بھی آخر دم تک قرآن حکیم کی ''حقیقی قراءت'' کی بحالی کی کوششوں میں مگن رہا۔ دوسری طرف حال ہی میں دو دوسرے مستشرق جان برٹن (John Burton) اور جان وان برو (John Wansbrough) کا یہ نتیجہ بھی چشم کشا ہے کہ صحابہ کرامؓ سے منسوب و مقابل مسوداتِ قرآن' ہوں یا بڑے شہروں میں پائے جانے والے دیگر نسخہ جات یا پھر انفرادی طور پر بعض حضرات سے منسوب مختلف قراءتیں سب کی سب بعد کے ماہرین علم الاصول اور ماہرین علم اللسان کی ایجاد ہیں۔ جیفری اس اہم حقیقت کی طرف سے بھی آنکھیں بند کر لیتا ہے کہ اختلاف قراءت قرآن کے ابتدائی ماخذ ابن ابی داؤد متوفی 316ھ' ابن الانباری متوفی 328ھ اور ابن الاشطہ متوفی 360ھ ہیں۔ ان تمام بزرگوں نے اختلافی قراءتیں چوتھی صدی ہجری میں نقل کیں ان روایات کے رواۃ متصل اور نہ ہی ان کی سند قابل اعتماد ہیں۔''

(ایضاً صفحہ 404 سطر 15 تا 24)

میرے نزدیک موضوع زیر مطالعہ پر ڈاکٹر صاحب کا تبصرہ یا جائزہ یقیناً بے لاگ ہے اس پر مزید وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی۔ البتہ ایک اہم مگر متنازعہ شخصیت ابن جریر طبری متوفی 310ھ کا ذکر خدا

معلوم ان سے کیسے رہ گیا۔ جن کی مصنفہ ''تفسیر طبری'' اختلاف قراءات سے بھرپور ہے جسے متاخرین نے ''ام التفاسیر'' کے مرتبے پر فائز کر کے اپنے اپنے مسلک کو استحکام و دوام بخشنے کے لئے اعزاز و افتخار کے ساتھ بطور حوالہ پیش کیا۔ ماضی میں جن ماہرین علم اللسان اور صرف و نحو نے اپنے تئیں مختلف یا متنوع قراءات (بقول ڈاکٹر صاحب) ایجاد کی ہیں ان کی بنیاد پر جیفری نے قرآن کی موجودہ قراءت یعنی قراءت عامہ ومتواترہ کے مقابل اپنے زعم میں ''حقیقی قراءات'' والا قرآن لانے کی کوششوں میں اپنی زندگی کھپا دی اور قرآن کی متعدد قراءتوں کے بارے میں مواد اکٹھا کیا جن کی بنیاد پر اس نے ایک ایسا قرآن ترتیب دینے کی سازش تیار کی جسے ڈاکٹر صاحب نے اس ہوشربا منصوبہ بندی کا مطالعہ کرنے کے بعد طشت ازبام کیا:

''راصل جیفری قرآن کے تنقیدی نسخے کو اس طرح مرتب کرنا چاہتا تھا کہ ایک صفحے پر کوفی خط میں متن قرآن ہو اس کے سامنے دوسرے صفحے پر تصحیح شدہ حفص روایات ہو اور حواشی (Foot Notes) میں قرآن حکیم کی تمام معلوم مختلف قراءتوں کو بیان کر دیا جائے۔ جیفری اپنی اس خواہش کے مطابق مکمل قرآنی نسخہ لانے میں تو کامیاب نہ ہوسکا۔''

(ایضاً' صفحہ 394' سطر 11 تا 16)

وائے حسرت!! جیفری کا یہ منصوبہ بری طرح ناکام ہوگیا۔ تفصیل بقلم ڈاکٹر صاحب ملاحظہ ہو:

''جیفری نے کئی سالوں تک قرآن حکیم کی متعدد قراءتوں کے بارے میں مواد اکٹھا کیا۔ پھر قرآن حکیم کا تنقیدی نسخہ تیار کرنے کے لئے 1926ء میں پروفیسر برجسٹراسر (Bergstrasser) جس نے میونخ میں قرآن محل (Quranic Archive) بنایا ہوا تھا' کے ساتھ اشتراک کیا۔ برجسٹراسر کے جانشین ڈاکٹر اوٹو پریٹزل (Oto Pretzil) کے ساتھ اشتراک عمل جاری رکھا بدقسمتی سے پریٹزل دوسری جنگ عظیم کے دوران سباسٹوپل (Sebastopal) کے باہر ہلاک ہوگیا اور اتحادی فوجوں کی بمباری سے سارا قرآن محل جل کر خاکستر ہوگیا اور عمارت بھی تباہ و برباد ہوگئی اس طرح قرآن حکیم کے تنقیدی ایڈیشن کو روبہ عمل لانے کا عظیم منصوبہ شرمندۂ تکمیل نہ ہوسکا اس ناکامی پر جیفری اپنی تکلیف اور ذہنی اذیت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

اب یہ امر تقریباً ناممکن ہے کہ ہماری نسل قرآنی متن کا حقیقی تنقیدی نسخہ دیکھ سکے۔''

(ایضاً' صفحہ 393' سطر 2 تا 9)

خس کم جہاں پاک .... قارئین محترم! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قرآن حکیم کے ایک بدترین دشمن کی گھناؤنی

سازش اور پُرفتن منصوبہ بندی کس المناک انجام سے دوچار ہوئی جس پر اس دشمنِ قرآن کے اپنے حسرت آمیز جملے ہی اس کے ذہنی کرب کو ظاہر کر رہے ہیں۔

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ (27:51)-

دیکھو ان (سازش کرنے والوں) کی سازش کا کیسا (لرزہ خیز) انجام ہوا کہ ہم نے انہیں ہلاکت (خیز تباہی و بربادی) میں ڈال دیا۔

نزول قرآن سے لے کر جیفری تک کسی منصوبہ کار نے اس قسم کا پلان تیار نہ کیا تھا اس عرصے کی تاریخ گواہ ہے۔ اگرچہ بعض ماہرین علم اللسان اور نحویوں نے ''متنوع قراءات'' پیش کرنے کی مساعی کی ہیں مگر وہ درسی کتب تک محدود رہیں۔ ''قاریوں'' یا ''روایوں'' میں سے کسی ایک نے بھی قرآن مقدس و محترم کے متن میں تو کجا حاشیے تک میں تضادٗ اختلاف یا تنوع چھاپ کر علیحدہ سے مصاحف پیش کرنے کی جرأت و جسارت نہ کی جیسی پوری ''تاریخ قرآن'' میں پہلی بار ایک مستشرق آرتھر جیفری نے کی جس کا بھیانک انجام اور اس کے حسرت و یاس میں لتھڑے جملوں کی صورت میں اس ''دشمن قرآن'' کا کرب و اضطراب عیاں ہے......... اگر اسے یہ علم ہوتا کہ اس کی موت کے تھوڑے ہی عرصے بعد خود ''مسلمانوں'' کا ایک عاقبت نا اندیش اور ذہنی طور پر نا آسودہ طبقہ اس کے کام کو اس سے بھی بڑھ کر انجام دینے کے لئے بے قراری کے ساتھ مصروف تگ و تاز ہو جائے گا تو وہ یوں الم انگیز صدماتی و اضطرابی کیفیت سے دوچار ہو کر نہ مرتا۔ آرتھر جیفری تو قرآنِ موجود و متواتر کے متن میں اس قسم کے الحاد و فساد (Corruption) کی جرأت نہ کر سکا مگر ان ''دوستوں'' نے تو بین الاقوامی سازش میں (شعوری یا لاشعوری طور پر) گرفتار ہو کر قرآن کریم کے متن میں تبدیلیاں لا کر بیس مصاحف چھاپنے کا عزم کر رکھا ہے.........ان شاءاللہ یہ بھی نا کام و خاسر رہیں گے۔

آخر میں ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کا بیان نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو انہوں نے بہاولپور میں قیام کے دوران اپنے ایک لیکچر میں دیا۔ ریڈیو پاکستان بہاولپور کو ان کے لیکچرز کی ریکارڈنگ اور بعد ازاں نشر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ان دنوں راقم الحروف بھی یہاں بطور انجینئر اپنی ذمہ داریاں انجام دے رہا تھا۔ ڈاکٹر محمد اکرم چودھری صاحب نے بھی اسے اپنے مقالے میں نقل کیا ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا بیان ہے کہ پریکٹل (میونخ میں قائم کردہ قرآن محل کے بانی برجسٹراسر کا جانشین) جو قرآن محل پر بمباری کے دوران ہی ہلاک ہو گیا تھا' نے انہیں اپنے دورہ فرانس کے دوران بتایا تھا کہ:

''پچھلے چودہ سو سالوں کے دوران مطبوعہ یا غیر مطبوعہ قرآن حکیم کے 42 ہزار نسخوں کو انہوں نے

اس لئے جمع کیا تا کہ وہ متن قرآن کے تضادات کو سامنے لاسکیں تمام دستیاب نسخہ جات کو جمع کر کے ان کا آپس میں موازنہ کرنے کے بعد اس ادارے نے جو ابتدائی رپورٹ جاری کی ڈاکٹر حمید اللہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

''اگر چہ ابھی تک قرآن حکیم کے مختلف نسخہ جات کو جمع کرنے کا کام جاری ہے تاہم جتنا کام مکمل ہو چکا اس کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان 42 ہزار نسخہ جات میں کتابت کی غلطیاں تو موجود ہیں مگر متن قرآن میں کسی قسم کے تضاد کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی۔''

(رشد' جون 2009ء' صفحہ 405-406)

اس اقتباس میں دشمنوں کے زبردست اعتراف سے کیا یہ بات سو فی صد عیاں نہیں ہو جاتی کہ کم از کم 1933ء (کیونکہ اسی سال بقول ڈاکٹر حمید اللہ' ان کی پریکٹل سے بالمشافہ ملاقات ہوئی) تک اس قرآن محل کے ارباب تحقیق وجستجو کو پوری سطح ارض سے قرآن حکیم کا کوئی ایسا نسخہ تلاشِ بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہو سکا جس میں کسی قسم کا (**حدیثی یا غیر حدیثی قراءت کا**) اختلاف' تضاد یا تنوع موجود ہو.......... ورنہ جیفری اور اس قماش کے دوسرے سازشی محقق یقیناً اسے حوالہ بنا کر اسلامیانِ عالم کو چیخ چیخ کر باور کرواتے کہ............لو.......... یہ رہا مختلف المتن یا ''متنوع قراءات'' پر مبنی دوسرا قرآن!! اس وقت دستیاب ہر فورم پر اپنی آواز پہنچانے میں وہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا..........مگر اس قرآن محل میں جوں ہی جیفری کا تیار کردہ وہ نسخہ جس کے حاشیے میں متضاد یا متنوع قراءات شامل کی گئی تھیں' داخل ہوا تو اتحادی فوجوں کی بمباری کے نتیجے میں عمارت کی تباہی و بربادی کے ساتھ ہی اس کی مرتب و مدون تحقیق آگ کے شعلوں میں راکھ کا ڈھیر ہوگئی۔

فَاعْتَبِرُوْ ایآاُولِي اْلاَبْصَار

☆☆☆

ہمارے محققین' متکلمین' باحثین' مقررین اور مناظرین اب تک ببانگ دہل لکھتے اور کہتے چلے آرہے ہیں کہ سطح ارض پر بائبل کے سینکڑوں نسخے (Versions) موجود ہیں مگر کسی دو میں مطابقت نہیں دکھائی دی جاسکتی۔ ان کی بائبل میں ہزاروں مختلف ومتضاد لفظی' حرفی وحرکی قراءات کی موجودگی ہی تو انہیں لرزہ براندام کئے رکھتی ہیں..........مگر ہمارا قرآن (**انہ لقران کریم**) اپنے متواتر ومتفق المتن ہونے کی برکت سے اسلامیان عالم کے درمیان وحدت ومودت کا سبب ہے۔ اگر چہ معنوی تحریف کے باعث ہم مختلف گروہوں میں منقسم ہیں اس خلیج کو پاٹنا قطعاً مشکل نہ ہوگا اگر ہمارے درمیان وہی قرآن کریم جاری وساری رہے جو اپنے متن کے اعتبار سے واحد ووحید

اور یکتا وتنہا ہے جس کی وحدت وعظمت کا اعتراف پریکٹل نے ڈاکٹر حمید اللہ (مرحوم) کے سامنے کیا کہ تمام دنیا سے بیالیس ہزار مخطوط ومطبوع نسخوں میں سے اسے کہیں (لفظی' حرفی یا حرکی) تضاد نہیں مل سکا۔ مسلمان کہلانے والے الہِ واحد و یکتا کے عابد وعبید اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے فرد لبیب ہیں تو ہماری اپیل ہے کہ ایسی نامشکور مساعی سے دستکش ہو جائیں اور اللہ کے غیظ وغضب سے مامون ہو جائیں۔

......اللھم اھدنا الصراط المستقیم......(آمین)

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہوچکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	160/-	سورہ روم' لقمان' السجدہ	(30,31,32)	444	325/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورہ احزاب' سبا' فاطر	(33,34,35)	570	325/-
سورہ النحل	(16)	334	250/-	سورہ یٰسٓ	(36)	164	125/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	275/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	325/-
سورۃ الکہف وسورہ مریم	(18-19)	532	325/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	325/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	275/-				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	225/-				
سورۃ الحج	(22)	380	275/-				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	300/-				
سورۃ النور	(24)	264	200/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	275/-				
سورۃ الشعرآء	(26)	454	325/-				
سورۃ النمل	(27)	280	225/-				
سورہ القصص	(28)	334	250/-				
سورہ عنکبوت	(29)	388	275/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)' 25/B' گلبرگ 2' لاہور' فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقطۂ نظر

راشد شاز

بین المذاہب مکالمہ کے لئے

ایک نئی دینیات کی ضرورت

خواتین وحضرات!

حضرت مسیحؑ ان چند برگزیدہ انبیاء میں سے ہیں جن کا تذکرہ بڑے ہی والہانہ انداز میں قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ یہ بات آپ کے علم میں ہوگی کہ قرآن مجید کی ایک مکمل سورت آپ کی والدہ حضرت مریم علیہا الصلاۃ والسلام کے عنوان سے موسوم ہے جنہیں قرآن نے تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لئے قدوہ (راہنما) کے طور پر پیش کیا ہے۔ میں جب بھی سورۂ مریم کی تلاوت کرتا ہوں اس کے صوتی آہنگ، جملوں کے زیر و بم اور مضامین کی رفعت سے روح وجد میں آجاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے لئے مسیح کی شخصیت سے الگ ہو جانا ممکن نہیں۔ مسیح ابن مریمؑ ہمارے ہیں اور ہم اہل ایمان مسیح ابن مریمؑ سے ہیں اور اس حقیقت کے باوجود کہ آج متبعین محمد ﷺ اور متبعین مسیحؑ کے درمیان گہری خلیج حائل ہے۔ ہم نظری طور پر حضرت مسیحؑ کو اپنے آپ سے جدا نہیں کر سکتے اور نہ ہی حضرت مسیحؑ کے سچے متبعین سے اپنا رشتہ توڑ سکتے ہیں۔ حضرت مسیح پر ہمارا ایمان، خانوادۂ انبیاء کے دوسرے نبیوں کی طرح، ایمان کا جزو لاینفک ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمانوں اور حضرت مسیحؑ کے مابین اس گہرے تعلق کا صحیح ادراک اب تک عیسائی دنیا میں نہیں کیا جا سکا ہے۔

میرے مسیحی بھائیو اور بہنو!

اہل ایمان کے گروہ جس طرح معاصر تاریخ میں بے وزن اور بے وقعت ہیں شاید انسانی تاریخ میں اس سے پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی۔ آج جن لوگوں کے ہاتھوں میں دنیا کا اقتدار اعلیٰ ہے انہیں مذہبی اقدار اور اعلیٰ انسانی اخلاق کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ بیسویں صدی جو ابھی گذری ہے انسانی ہلاکت، اجتماعی قبروں، منظم نسل کشی اور غیر انسانی نظریات کی ترسیل و اشاعت کے لئے پچھلی تمام صدیوں پر بازی لے گئی ہے۔ انسان انسانوں کے لئے بھیڑیا بن گیا ہے۔ جیمس فیریز کی طرح ہم میں سے بہت سے لوگ اس بات پر ایمان لے آئے ہیں کہ تہذیب محض ظاہری حسن کاری ہے، اسے کھرچئے تو انسانی بہیمیت اپنی اصلیت ظاہر کر دے گی۔

آج چونکہ بہیمیت کو گلوبلائزیشن کا کاندھا بھی فراہم ہو گیا ہے لہٰذا اب پوری دنیا بھیڑیا نما انسانوں کی چراگاہ بن گئی ہے۔ امریکی صدر جارج بش کے الفاظ میں There is no place to hide گویا جارج امریکی عزائم سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ کوئی جائے پناہ نہیں رہ گئی ہے۔ ہم میں سے بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ موجودہ دنیا کی سواری سے اتر آئیں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ کوئی متبادل موجود نہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہم لوہے کے ایک پنجرے میں قید ہوں جس کی دیواریں چہار سمت سے ہم پر تنگ کی جا رہی ہوں۔ یہ ایک ایسی صورتحال ہے جو اس سے پہلے فرد کو کبھی پیش نہیں آئی۔ اس احساس کو صحیح نام دینے کے لئے ہماری لغت میں الفاظ موجود نہیں ہیں۔

صورتحال کی سنگینی کے پیش نظر آج میں آپ سے بلاتکلف کہہ دیتا ہوں کہ ہم خواہ مذہبی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوں، ہم تمام لوگوں کا مستقبل اسی کرۂ زمین کے مستقبل سے وابستہ ہے جسے خدا بیزار انسانی قیادت ہر اعتبار سے تباہ و برباد کرنے اور بالآخر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے درپے ہے۔ مختلف ممالک جو نیوکلیائی قوت بن چکے ہیں یا بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں دراصل ایک ایسی سمت کے مسافر ہیں جس کی اگلی منزل انہیں معلوم نہیں۔ قوموں کے خواب سراب زدہ اور گمراہ کن ہیں۔ جھوٹی عظمتوں نے انہیں اپنی ساری قوت ایسے مقاصد کے لئے وقف کر دینے پر مجبور کیا ہے جس میں انسانیت کے لئے کوئی مستقبل نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ صورتحال اب انسانی ہاتھوں سے نکل گئی ہے۔ جن بوتل سے باہر آ گیا ہے۔ ساحروں کو پتہ نہیں کہ اسے دوبارہ بوتل میں واپس کیسے بھیجا جا سکتا ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ ہم صورتحال کا صحیح ادراک کرنے سے قاصر ہیں کہ ہماری آنکھیں وہی کچھ دیکھتی ہیں جو ذرائع ابلاغ دکھاتے ہیں اور چونکہ ذرائع ابلاغ پر انہی غاصب قوتوں کا پہرہ ہے اس لئے عام انسان صورتحال کی سنگینی کا واقعی اندازہ نہیں کر پا رہا ہے۔

ایک ایسی صورتحال میں جب دنیا پر تاریکی نے اپنے پنجے گاڑ دیئے ہوں، جب سرنگ کی دوسری طرف روشنی نظر نہ آتی ہو اور جب مختلف تہذیبوں میں پائی جانے والی سعید روحیں خود کو بے بس محسوس کرتی ہوں اور جب اس صورتحال سے پریشان ہو کر پوری دنیا، بالخصوص عیسائی معاشروں میں برملا یہ سوال کیا جانے لگا ہو کہ کہاں گئے وہ لوگ جنہیں حضرت مسیحؑ نے زمین کا نمک اور دنیا کی روشنی کہا تھا اور جن سے یہ توقع تھی کہ ان تاریک ایام میں وہ دنیا کی راہنمائی کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آج بھی نہ صرف چرچ کی اس مجلس میں بلکہ عیسائی دنیا کے مختلف ایوانوں میں مسیح کے سچے متبعین کے کانوں میں یہ صدا آ رہی ہو گی۔

''یقین جانو تم زمین کے نمک ہو اور اگر نمک اپنی

نمکینیت کھو دے تو پھر اسے کون نمکین کر سکے گا......تم تمام اقوام کے لئے مینارۂ نور ہو۔ ایک ایسا چراغ جو پہاڑی پر واقع ہو۔ جس کی روشنی میں ہر کوئی راستہ پا سکے۔ اپنی روشنی پر پردہ نہ ڈالو' اپنی روشنی سے ساری دنیا کو منور کر دو' تمہاری روشنی سبھوں کے لئے مفید ثابت ہو تا کہ سب لوگ تمہارے آسمانی باپ کی نغمہ سرائی کر سکیں۔'' (متی 5' آیات 13 تا 16)۔

مجھے یہ بات کہتے ہوئے بڑا قلق ہو رہا ہے کہ جو لوگ کبھی دنیا کے لئے مینارۂ نور تھے اب موجودہ تاریکی میں اپنے اس فرض منصبی کو انجام نہیں دے رہے ہیں۔ ہمیں یہ تو نہیں کہنا کہ پوری عیسائی دنیا ظلمت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے گاہے بگاہے ہمیں روشنی کے کچھ مناظر دکھائی دے جاتے ہوں۔ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ فی زمانہ متبعین مسیح کی حیثیت مینارۂ نور کی نہیں رہ گئی ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ہم خود کو ظلمت میں اس طرح گھرا پاتے۔ آج کی اس مجلس میں مَیں نے قدرے بے تکلفی سے کام لیا ہے ایسا اس لئے کہ میں خود کو ان کے درمیان پاتا ہوں جنہیں زمین کے نمک اور مینارۂ نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہم مسلمانوں نے متبعین مسیحؑ کو ہمیشہ اہل کتاب سے خطاب کیا ہے یعنی ایک ایسا طائفہ جو خدا کے سچے رسول کی پیروی کا دعویدار ہو اور جسے ایمان و انصاف کے حوالے سے قائل کیا جا سکتا ہو۔ قرآن مجید ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم اہل کتاب کے ساتھ مشترکہ محاذ ترتیب دیں اور وہ باتیں جو ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہیں ان کی بنیادوں پر مشترکہ جدوجہد کا پروگرام بنائیں۔ بالفاظ دیگر مجھے کہنے دیجئے کہ متبعین مسیحؑ اور متبعین محمدﷺ کے لئے مشترکہ جدوجہد کی بنا ہمارے نزدیک نہ صرف یہ کہ قابل قبول ہے بلکہ قرآن مجید اس کا داعی بھی ہے۔ البتہ اس حقیقت کے اظہار میں مجھے تکلف نہیں برتنا چاہئے کہ ﴿**يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ**﴾ کی دعوت ماضی میں بعض سیاسی وجوہ کے سبب اس طرح نہیں برتی جا سکی ہے جیسا کہ اس کا حق تھا۔ آیئے میں ذرا اس بات کی وضاحت کروں۔

اسلام کے ابتدائی ایام میں جب خدا کا آخری رسول ہمارے درمیان موجود تھا ہم مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح تھی کہ انسانی تاریخ میں متبعین محمدﷺ ایک خاص مقام پر فائز ہیں۔ یہودی اور عیسائی قوموں کے بعد انسانی تاریخ کی راہنمائی کی ذمہ داری ہمیں سونپی گئی ہے۔ قرآن نے بہت واضح الفاظ میں ہمیں بتایا ہے کہ محمد رسول اللہﷺ کی دعوت بعینہٖ وہی دعوت ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے انبیاء کے ذریعہ انسانوں کی طرف بھیجی گئی بلکہ قرآن نے تو اس بات کی صریح الفاظ میں وضاحت کی ہے کہ محمد رسول اللہﷺ دین ابراہیمی کے احیاء کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ وہی ابراہیمؑ جسے قرآن مسلم حنیف کے لئے رول ماڈل کے

طور پر پیش کرتا ہے اور جس کے سچے متبعین کے لئے کامیابی کی ضمانت دی گئی ہے۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا مطالعہ یقیناً آپ کے لئے باعث دل چسپی ہوگا۔ ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴾ (البقرہ:128)۔ ابراہیمؑ کی دعا قبول ہوئی اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی اولاد سے انبیاء کا ایک سلسلہ جاری ہوا یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں محمد رسول اللہ ﷺ پر تمام ہوا۔ انبیاء کا یہ خانوادہ جس میں ابراہیم و اسحٰق، اسماعیل و یعقوب و سلیمان و داؤدؑ سبھی شامل ہیں، قرآن کہتا ہے، خدا کے سچے متبعین کی جگمگاتی کہکشاں ہے۔ ہم مسلمان ان تمام انبیاء پر ایمان لانا لازم خیال کرتے ہیں۔ ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے ﴿لا نفرق بين احد منهم﴾۔ یہ سب کے سب ہمارے لئے قابل اتباع ہیں پھر ہم ان کے سچے متبعین اور ان سے اپنا رشتہ جوڑنے والوں سے محبت ترک کر دیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ہم نے کبھی غیر نہ سمجھا۔ قرآن ایسے لوگوں کی مدح و ستائش کرتا ہے جن کا تعلق اہل یہود اور اہل نصاریٰ سے ہے۔ ایسا اس لئے کہ ان میں سے بعضوں کی پیشانیاں سجدے سے معمور اور ان کے دل خشیت الٰہی سے لبریز ہیں۔ قرآن مجید نے نہ صرف یہ کہ ہمیں مشترکہ جہد و عمل کی بنیاد فراہم کی ہے بلکہ اس نے ہمیں اہل کتاب سے سماجی اور معاشرتی رشتوں کی بھی اجازت دی ہے۔ اہل کتاب کا کھانا ہمارے لئے حلال کیا گیا اور ہمیں اس بات کی اجازت دی گئی کہ ہم ان کی عورتوں سے رشتہ مناکحت استوار کریں۔ قرآن کی پیدا کردہ یہی وہ وسعت قلبی تھی کہ جب عہد رسول میں نجران کے عیسائیوں کا ایک قافلہ مدینہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ اس وفد کے ساتھ بڑی الفت و محبت سے پیش آئے، باوجود اس امر کہ انہیں اپنے عیسائی بنے رہنے پر اصرار تھا۔ ہم مسلمانوں کے دل ہمیشہ سے حضرت مسیحؑ کے سچے متبعین کے لئے کھلے رہے ہیں اور حضرت مسیحؑ کے سچے متبعین بھی ہمارے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آئے ہیں۔ ذرا اس حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی مثال ملاحظہ فرمائیے جس نے مسلمانوں کو سیاسی پناہ دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ نجاشی کی موت کی خبر جب مدینہ پہنچی تو رسول اللہ ﷺ کو بڑا قلق ہوا آپ نے اس کے لئے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نے کہا لوگو! آج تمہارا ایک بھائی رخصت ہوگیا ہے اس کی مغفرت کی دعا کرو۔ مسلمانوں کی پہلی نسل خود کو عیسائیوں سے کتنا قریب سمجھتی تھی اس کا اظہار قرآن کی ان آیات سے ہوتا ہے جن میں ایرانیوں کے ہاتھوں رومی عیسائیوں کی شکست پر قرآن نے مسلمانوں کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ جلد ہی اہل ایمان کو اس صدمے کے ازالہ کی خوشخبری ملے گی جب رومی عیسائی کے ہاتھوں ایرانی لشکر

شکست پائے گا۔

حتیٰ کہ ان ایام میں جب اسلامی تحریک پر خطرات کے بادل منڈلا رہے تھے اور جب یہود و نصاریٰ سے مسلمانوں کو متوقع تعاون ملنے کے بجائے ان کی طرف سے مسلسل مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں کا سامنا تھا ان حالات میں بھی اہل کتاب کے سلسلے میں مسلم فکر کو مجروح نہیں ہونے دیا گیا' ہماری وسعت قلبی بدستور باقی رہی۔ رسول اللہ ﷺ انہیں اہل کتاب قرار دیتے رہے اور قرآن اس بات کا برملا اعلان کرتا رہا کہ: ﴿لَيْسُواْ سَوَاء مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللّهِ آنَاء اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُون﴾۔(آل عمران:113)۔اور یہ کہ ﴿وَمِن قَوْمِ مُوسَى أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ﴾۔(الاعراف: 159)۔ رہی عیسائیوں کی بات تو عیسائیوں کے سلسلے میں ہم نے ہمیشہ تعلق خاص کا اظہار کیا ہے۔ بقول قرآن ''تم اہل ایمان سے محبت میں ان لوگوں کو قریب پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے درمیان علماءٔ اور عبادت گذار افراد پائے جاتے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔'' (مائدہ:82)۔

قرآن نے چونکہ اہل کتاب کو ایسے گروہ کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے جو مسلمانوں ہی کی طرح خدا کی اتباع کو اپنی قومی زندگی کے لئے سبب افتخار قرار دیتا ہے اس لئے مسلمانوں نے ہمیشہ سے اہل کتاب کی طرح احترام ورواداری کا مظاہرہ کیا ہے۔ مسلم ریاستوں میں انہیں اعلیٰ مناصب دیا جانا اور انہیں مذہبی آزادی کی ضمانت اسی بات پر دال ہے۔ اسلامی ریاست اہل کتاب کے حقوق کے سلسلے میں اتنے حزم و احتیاط کا مظاہرہ کرتی رہی ہے کہ جب حضرت عمرؓ فاتح کی حیثیت سے یروشلم میں داخل ہوئے تو صرف اس خیال سے آپ نے چرچ کے اندر نماز پڑھنا مناسب خیال نہ کیا کہ مبادا ان کا یہ عمل مسلمانوں کے لئے چرچ کو مسجد میں تبدیل کرنے کا سبب بن جائے۔ حتیٰ کہ چرچ کے باہر جن سیڑھیوں پر آپ نے نماز ادا کی اس بارے میں بھی آپ نے یہ تحریری ضمانت دینا ضروری سمجھا کہ مسلمان صلوٰۃِ عمر کو نظیر بناتے ہوئے اس جگہ کو مسجد میں تبدیل نہ کر دیں۔

رہی یہ بات کہ اہل کتاب کے معابد تو اس بارے میں اگر مسلمانوں نے احترام ورواداری کا مظاہرہ کیا ہے تو اس کی بنیاد بھی قرآن میں موجود ہے۔ بالفاظ قرآن ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيراً﴾۔(الحج:40)۔اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ نہ ہٹاتا رہتا تو یہ خانقاہیں' چرچ' سناگاوگ اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے ڈھادی جاتیں (الحج: 40)۔ مسجدوں کے ساتھ ساتھ خانقاہوں چرچ اور سناگاوگ کا تذکرہ اور پھر یہ کہنا کہ ان میں اللہ کا

نام کثرت سے لیا جاتا ہے اس بات پر دال ہے کہ مسلمانوں کو اہل کتاب کے معابد کو بنظر احترام دیکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ابتدائی ایام میں مسلم ذہن پر یہ حقیقت روشن تھی کہ ان کی دعوت تمام انبیاء کی دعوتوں کا ارتکاز ہے۔ ان سے پہلے جو لوگ کتابوں کے حاملین رہے ہیں۔ انہوں نے بھی دنیا کو بندگیٔ رب کی دعوت دی ہے۔ اب چونکہ آخری نبی کی حیثیت سے مسلمان منصب سیادت پر فائز ہیں اس لئے دنیا کے تمام اہل ایمان کی کمانڈ ان کے ہاتھوں میں ہے جب تک مسلمان خود کو اس منصب عظیم کا حامل سمجھتے رہے وہ اہل کتاب کی قوتوں کو **کلمۃ سواء** کی بنیاد پر عظیم نبوی مشن کے لئے استعمال کرتے رہے۔ البتہ جب سے انہوں نے بعض سیاسی اور معاشی عوامل کے تحت خود کو امت مامور کے بجائے اہل کتاب ہی کی طرح ایک عام امت سمجھنے لگے' ان کی وسیع النظری اور رواداری کو گھن لگ گیا۔ ہمارے علماء و فقہاء اہل کتاب کے سلسلے میں تحفظ ذہنی کے اسیر ہو گئے اور ہمیں ایسا محسوس ہونے لگا گویا **کلمۃ سواء** کے مشترکہ پروگرام میں اب اہل کتاب کی وہ اہمیت باقی نہیں رہی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب عباسی بغداد میں بعض اہل یہود کو کلیدی عہدے عطا کئے جانے لگے تو اس صورت حال نے مسلمانوں میں قومی طرز فکر رکھنے والوں کو اندیشوں میں مبتلا کر دیا۔ اموی دور حکومت ہی سے کلیدی مناصب کی تقسیم میں قبائلی عصبیت کارفرما ہو گئی تھی۔ لوگ اس بات کو حق بجانب سمجھنے لگے تھے کہ اعلیٰ عہدوں پر تقرری میں خاندانی تعلقات اور قومی شناخت کو بھی مدنظر رکھا جائے۔ دوسری طرف اہل یہود کے بعض خاندان بعض انتظامی اور معاشی علوم میں اپنی سبقت کی وجہ سے خصوصی امتیاز کے حامل تھے۔ جس کی وجہ سے حکومت کی نگاہ انتخاب ان پر پڑ رہی تھی۔ اسی عہد میں قومی مسلمانوں کی طرف سے بعض ایسی روایتیں وضع کی گئیں جن سے یہ بتانا مقصود تھا کہ اہل کتاب کو اسلامی ریاست میں اہم مناصب عطا نہیں کئے جا سکتے۔ کہا جاتا ہے کہ بنو قریظہ کے قتل کا قصہ جو بعد کے عہد میں سیرت کی کتابوں میں تواتر کے ساتھ نقل ہوا ہے' ابن اسحاق ور دوسرے مؤرخین کے ہاتھوں اسی عہد میں تشکیل پایا ہے۔ ہمارے عہد میں بعض ایسی تحقیقات منظر عام پر آئی ہیں جس نے اس واقعہ کے سلسلے میں سخت شبہات پیدا کر دیئے ہیں۔ نبی رحمت کے ہاتھوں کسی قبیلہ کے اجتماعی قتل عام کو نہ صرف یہ کہ ذہن قبول نہیں کرتا بلکہ تاریخ بھی اس کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ ان تراشیدہ قصوں کے اثرات ہی کا نتیجہ تھا کہ اہل کتاب کے سلسلے میں عہد عباسی میں ہمارے فقہاء و مفکرین کے نظریے بدلنے لگے اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ کفار کی طرح اہل کتاب کو بھی' جنہیں اب تک ہم قرآنی دائرہ فکر میں ایمانی گروہ سمجھتے رہے تھے' صاغرون بن کر رہنا ہوگا۔

اہل کتاب اور دوسرے گروہوں کی طرف ہماری وسعت قلبی کے خاتمہ نے ہمیں ایک قومی امت کے حصار میں محصور کر دیا اور ہم جو اب تک تمام نوع انسانی کے لئے انصاف' مساوات اور حریت کے حصول کو اپنا مقصد قرار دیتے تھے اب ان عظیم مقاصد کو ہم نے صرف اپنی قوم کے لئے مخصوص کر دیا۔ اہل کتاب کے سلسلے میں ہمارے اس نئے رویے کی تشکیل میں بنو قریظہ سے متعلق تراشیدہ قصے اور معاہدہ عمر کے مفروضہ دستاویز نے کلیدی رول ادا کیا ہے۔ ہمارے مفکرین نے اس بات پر غور کرنے کی ضرورت کم ہی سمجھی کہ بنو قریظہ کا مفروضہ واقعہ نہ صرف یہ کہ قرآن کے بنیادی اصولوں سے ٹکراتا ہے بلکہ خود اس واقعہ کے بیان میں اتنے تضاد موجود ہیں کہ اس کی بنیاد پر کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ دوسری طرف معاہدہ عمر کے مختلف متن تاریخ کی مختلف کتابوں میں ملتے ہیں۔ ہر متن ایک دوسرے پر اضافہ معلوم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اس دستاویز کو حضرت عمرؓ جیسی جلیل القدر شخصیت سے منسوب کرنا مناسب نہیں اور نہ ہی کسی ایسے مشکوک دستاویز کی بنیاد پر اہل کتاب کے سلسلے میں ایک ایسا نقطہ نظر تشکیل دیا جاسکتا ہے جو انہیں حلیف کے بجائے حریف کے طور پر پیش کرے۔ افسوس اہل کتاب کے سلسلے میں عہد عباسی میں ہمارے رویہ نے جو کروٹ لی اس کی بنیادیں قرآن کے بجائے اس تاریخ میں ہے جس کی سند مشکوک ہے۔ مجھے اس بات کو بھی تسلیم کرنے میں کوئی تکلف نہیں ہے کہ خلافت علی منہاج النبوۃ جب اپنی اصل بنیادوں سے ہٹ کر ملوکیت کی راہ پر گامزن ہوگئی تو اس دور میں ہم نے اسلام کی اشاعت کے بجائے مسلم قومی افتخار کا علم بلند کرنا ضروری سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل کتاب سے ہمارے رشتوں کی دینی بنیاد نہ صرف یہ کہ متاثر ہوئی بلکہ ہم انہیں قومی افتخار کے پروجیکٹ میں رکاوٹ کے طور پر دیکھنے لگے۔ اب چونکہ نہ ہم اس انبیائی مشن کے حامل تھے اور نہ ہی اہل کتاب کو اپنا حلیف بنانے کی ضرورت سمجھتے تھے اس لئے فقہاء اسلام نے آگے چل کر ان کے ساتھ سماجی رابطوں کے سلسلے کو منقطع کرنے کی کوشش کی۔ کتابیہ عورت سے نکاح کو معیوب سمجھا جانے لگا۔ ہمارے مفکرین یہ سمجھنے لگے کہ مسلمانوں کی قومی ریاست اسلام کے بجائے عرب عصبیت سے قوت حاصل کرسکتی ہے اور یہی اس کے لئے نقطہ اتحاد ہوسکتا ہے۔ اسلام سے عرب عصبیت تک کے اس سفر نے مسلم ذہن کو ایک بڑے بحران سے دوچار کر دیا۔ جلد ہی دنیا نے دیکھا کہ مسلمان اور نصاریٰ جو کبھی فطری حلیف تھے' دو سو سالوں تک مسلسل ایک دوسرے سے نبرد آزما رہے۔ صلیبی جنگوں نے نہ صرف یہ کہ عیسائی مسلم تعلقات کی دینی بنیادیں ہلا دیں بلکہ آنے والی صدیوں میں مسلمانوں کے سلسلے میں عیسائی نقطہ نظر کی تشکیل میں ان جنگوں نے کلیدی رول ادا کیا۔ پروپیگنڈہ اتنا شدید تھا کہ یورپ میں صدیوں محمد رسول اللہ ﷺ کو جھوٹے پیغمبر اور بہروپئے

(نعوذ باللہ) کی حیثیت سے دیکھا جاتا رہا حتیٰ کہ اٹھارہویں صدی تک لندن کے اسٹیج ڈراموں میں محمد رسول اللہ ﷺ کو ایک ایسے شخص کی حیثیت سے پیش کیا جاتا رہا جو بقول ان ڈراموں کے پوپ بننا چاہتا تھا لیکن جب ان کی خواہش پوری نہ ہوئی تو انہوں نے عیسائیت کے خلاف ایک نیا مذہب ایجاد کرڈالا۔ شیکسپیئر کے ڈراموں میں Foul fiend Mahu کی گونج اور دانتے کی ڈوائن کامیڈی میں رسول اللہ ﷺ کو جہنم کے مرکزی حصے میں دکھایا جانا اس مخالفانہ پروپیگنڈہ کی بین مثال ہے۔ اسلام کے خلاف اس متعصّبانہ پروپیگنڈہ نے یورپ کے ادب کو جس طرح متاثر کیا ہے آج مغربی ذہن پر اس کے اثرات پڑ رہے ہیں کچھ یہی حال ہمارے علماء کی ان تحریروں کا ہے جو صلیبی جنگوں کے تناظر میں اہل نصاریٰ کے سلسلے میں لکھی گئی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس قدیم فقہی محاکمہ صلیبی جنگوں سے اوپر اٹھ کر جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ یہ قدیم فقہی محاکمہ قرآنی دائرہ فکر کی پوری پوری پاسداری کرتے ہیں یا نہیں گویا دونوں طرف فقہی اور مذہبی ادب کے بے لاگ محاکمہ کی ضرورت ہے اگر مسلمانوں کو ایک طرف اہل کتاب کے سلسلے میں فقہی مباحث کو قرآنی دائرہ فکر میں ازسرنو تشکیل دینے کی ضرورت ہے تو دوسری طرف عیسائی علماء پر بھی لازم ہوگا کہ وہ بائبل میں موجود حضرت مسیحؑ کے خطبوں کی روشنی میں اسلامی مشن کا صحیح اور منصفانہ محاکمہ کریں گویا دونوں طرف ایک نئی دینیات تشکیل دیئے بغیر مسلمان اور اہل کتاب پھر سے فطری حلیف نہیں بن سکتے ہیں۔ یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ دنیا میں مختلف شعوب وقبائل کا پایا جانا اور مختلف انبیاء کے ایمانی طائفے دراصل خدائی اسکیم کا حصہ ہیں۔ خدا نے ہمیں مختلف اقوام و ملل میں پیدا کیا ہے اور مختلف ایمانی سلسلوں میں ہماری شناخت تشکیل دی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم مختلف ایمانی حوالوں سے جانے جائیں۔ ﴿**وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً**﴾ (الشوریٰ:8)۔ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ہم خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں لیکن اس کے برعکس ہوتا یہ ہے کہ ہر گروہ نجات کو صرف اپنے لئے مخصوص سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ ان نازک امور پر گفتگو سے قرآن اور بائبل دونوں جگہ منع کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿**إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ**﴾ (الحج:17)۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ حضرات بائبل کے فرمان thou shall not judge سے بھی واقف ہوں گے۔ جب خدا نے نجات کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اہل ایمان کے طائفہ کو جہنم رسید کرنے میں ہم اپنی قوتیں ایک دوسرے پر صرف کریں۔

عزیز بھائیو اور بہنو!

فرد کی طرح ہر نسل اپنی فہم وبصیرت کے لئے خود

ہی جواب دہ ہے۔ ہمارے متقدمین کی فہم و بصیرت کا حساب ہم سے نہیں لیا جائے گا۔ ﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلاَ تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ (البقرۃ:134)۔ ہم اس بات کے ہرگز سزاوار نہیں کہ متقدمین کی لغزشوں کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھریں اگر آج ہم متقدمین کی تحریروں کو حرفِ آخر کی حیثیت سے دیکھنے کی کوشش کریں گے تو کسی نئی ابتداء کا امکان سرے سے ختم ہو جائے گا۔ صلیبی جنگیں کب کی ختم ہو چکی ہیں تب سے اب تک انسانی تاریخ نے ایک طویل سفر طے کیا ہے۔ ہمیں یہ بات بھی نہیں بھلانی چاہئے کہ آج جو لوگ ہمارے درمیان تہذیبی جنگ کا بگل بجا رہے ہیں وہ عیسائیت کے سچے نمائندہ یا حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کے سچے امین نہیں ہیں اور نہ ہی انہیں ساری عیسائی دنیا کی حمایت اور سرپرستی حاصل ہے۔ جو لوگ جدید دنیا کو عیسائی مسلم خانوں میں بٹی دیکھتے ہیں وہ دراصل صورتحال کے صحیح محاکمہ سے قاصر ہیں۔ سچ تو یہ ہے آج پوری نوع انسانی باطل کے ہاتھوں دہشت زدہ ہے۔ اہل ایمان کے تمام ہی طائفوں کی یہ مشترکہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاصر دنیا کو جنگ کی تباہ کاری اور ناانصافی کی عقوبت گاہ سے نجات دلائیں۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس وقت عیسائی دنیا میں مسلمانوں کے خلاف جس طرح نفرت پھیلا دی گئی ہے اور جس طرح اسلام اور مسلمانوں کو موت و دہشت کا ایجنٹ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے، عیسائی علماء اور مغربی مفکرین کے لئے اپنے ثقافتی ادب سے دست کش ہونا کچھ آسان نہ ہوگا اور نہ ہی ان کے لئے یہ آسان ہوگا کہ وہ خالص تعلیماتِ مسیح کی روشنی میں اسلامی مشن کا محاکمہ کر سکیں۔ نفرت کی اس فضا میں اسلام کی غیر جانبدارانہ تفہیم یقیناً ایک بہت بڑا چیلنج ہے لیکن اگر ہمیں دنیا کو جنگ و ناانصافی سے بچانا ہے تو اس سرزمین پر پائے جانے والے اہل ایمان کے تمام طائفوں کو مشترکہ جدوجہد کے لئے آگے آنا ہوگا۔ مجھے یقین واثق ہے اس عظیم کام میں اللہ کی نصرت اور راہنمائی ہمارے شاملِ حال ہوگی۔ ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (عنکبوت:69)۔ اور مجھے یقین ہے کہ ایک نئی ابتداء کے لئے ہمارے عیسائی بھائی بہنوں کے کانوں میں بھی حضرت مسیحؑ کی ان ایمان افروز صداؤں کی گونج سنائی دے رہی ہوگی:

Ask, and it shall be given you:
Seek, and ye shall find:
Knock, and it shall be opened unto you.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہرعباس' فاضل درسِ نظامی

ایک اچھے لیڈر کا قرآنی معیار

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی راہنمائی کے لئے ایک مکمل' منفرد ضابطۂ حیات عنایت فرمایا۔ زندگی کا ضابطۂ حیات خواہ کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو' جب تک کہ ایک مخلص اور دیانتدار لیڈر اس تحریک کو لے کر نہیں اٹھتا' وہ ضابطۂ حیات عملی نتائج پیدا نہیں کرسکتا۔ تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کا شاہد ہے۔ قرآن کریم نے حضرت عیسیٰؑ کی جن قائدانہ صلاحیتوں کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں سے چند یہ ہیں کہ ایک اچھا لیڈر مردہ قوم کو زندہ کردیتا ہے (3:49) وہ قوم پستی سے ابھر کر فضا کی بلندیوں میں اڑنے کے قابل ہو جاتی ہے (3:49)' انہیں فکر وعمل کی رفعتیں نصیب ہوتی ہیں (7:176) اور اس قوم کی بے نور آنکھوں کو ایسی بصیرت مل جاتی ہے کہ وہ زندگی کی صحیح راہوں پر چلنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ کسی قوم کو جب تک اچھا راہنما نہیں ملتا وہ قوم ترقی نہیں کرسکتی۔ جہاں قرآن کریم نے ہر ہر شعبہ میں راہنمائی فرمائی ہے' ایک اچھے لیڈر کی صفات وخصوصیات بھی بیان فرما دی ہیں' جس کی قیادت وراہنمائی میں ایک قوم عروج واقتدار حاصل کرسکتی ہے۔

قرآن کریم نے ایک اچھے لیڈر کی پہلی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے: **اتَّبِعُوا مَن لَّا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُم مُّهْتَدُونَ** (36:21)' ان لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی صلہ ومعاوضہ نہیں مانگتے اور خود بھی راہِ راست پر چل رہے ہوں۔ اس آیت میں قرآن کریم نے ایک اچھے لیڈر کی دو نمایاں نشانیاں بیان فرمائی ہیں ایک اچھے لیڈر کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا' معاوضہ حاصل کرنے کی دسیوں صورتیں ہوسکتی ہیں' جن کو نہ تو تولا جاسکتا ہے اور نہ ہی گنا جاسکتا ہے۔ اس میں ضرورت سے زیادہ Privileges بھی آجاتی ہیں۔ اچھے اچھے قیمتی پلاٹس حاصل کرنا' بڑی بڑی کاریں لینا' زرعی اراضی اپنے نام لینا' بنکوں کے رقوم Write Off کرانا' یہ سب چیزیں اس اجرا میں آجاتی ہیں جو قرآن کریم نے منع فرمائی ہیں۔ اچھے لیڈر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ خود صحیح راستہ پر چل رہا ہو بے غرضی ایک شخص کی نیک نیتی کی

شہادت تو ضرور ہے' لیکن مجرد نیک نیتی اس بات کی شہادت نہیں ہے کہ وہ درست راستہ پر ہی چل رہا ہے۔ اس لئے کسی شخص کی نیک نیتی اور بے غرضی کے ساتھ ساتھ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس کی بات اس کی روشِ زندگی' اس کی عقل و دانش بھی درست ہے یا نہیں۔

صدرِ اول کے دور میں ہمارے عظیم راہنماؤں نے کسی طرح کا بھی معاوضہ طلب نہیں کیا۔ تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا پیشہ کپڑے کی تجارت تھا۔ جب وہ خلیفہ مقرر ہوئے تو ان کے پاس آمدنی کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا۔ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد' ان کے لئے اس پیشہ کو جاری رکھنا بہت مشکل کام تھا۔ اس لئے باہم مشاورت کے بعد ان کا مملکت کی طرف سے وظیفہ مقرر رہوا۔ ان کا یہ وظیفہ' مدینہ کے ایک مزدور کی مزدوری کے مساوی تھا۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے کہ میں اپنا وظیفہ مزدور کی آمدنی کے مساوی اس لئے لیتا ہوں تا کہ مجھے یہ دلچسپی ہو کہ مزدور کی آمدنی میں اضافہ ہو' تا کہ میرے وظیفہ میں بھی اضافہ ہو۔ کسی قسم کی کوئی سہولت یا Privilege ان کے لئے نہیں تھی۔ انہوں نے وصیت فرمائی تھی کہ انہیں ان کے پرانے کپڑوں میں ہی دفن کر دیں۔ کفن کے لئے نئے کپڑے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری خصوصیت ایک اچھے راہنما کی یہ ہے کہ وہ نہ صرف قانون کا پابند ہو بلکہ دوسروں سے زیادہ قانون کی پابندی کرے۔ حضورﷺ دس ہزار مربع میل پر محیط مملکت کے سربراہ تھے' وہ وحی کے ایک ایک حکم کے پابند تھے۔ **إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ** (7:203) بلکہ وہ **أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ** (6:163)۔ قانون کے سب سے زیادہ پابند تھے۔ قرآن کریم کی رو سے پبلک اور پرائیویٹ زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ زندگی ناقابلِ تقسیم اکائی ہے۔ اگر کسی کی ذاتی پرائیویٹ زندگی اچھی نہیں ہے تو اس کی پبلک لائف بھی اچھی نہیں ہو سکتی۔ یہ سیکولر مملکت کا نظریہ ہے کہ پرائیویٹ لائف قابلِ احتساب نہیں ہے۔ قرآن کریم کی رو سے ایسی کوئی تقسیم نہیں۔ اچھے لیڈر کی پرائیویٹ لائف بھی اس طرح قابلِ احتساب ہے جیسے اس کی پبلک لائف ہوتی ہے۔

لیڈر کے لئے ضروری ہے کہ وہ عہد و پیمان کا پابند ہو۔ ارشاد ہوتا ہے: **لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ** (61:2)۔ تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو۔ تمہارا یہ رویہ اللہ کے ہاں موجبِ سعادت نہیں ہے۔ ایک لیڈر یا سربراہِ مملکت کے قول و قرار کی ساری قدر و قیمت اس کی وفاداری اور راستبازی نہیں ہے۔

آج کل کے دور میں لیڈروں کی سب سے بڑی کمزوری خوشامد پسندی اور تملق ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ جو کام انہوں نے کیا اس کی دل کھول کر تعریف کی جائے۔ اس کے علاوہ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ جو کام انہوں نے

نہیں بھی کیا' اس کا Credit بھی ان کو دیا جائے اور ان کی تعریف کی جائے کہ آپ نے قوم کی خاطر کیا کچھ نہیں کیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے: **وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُواْ بِمَا لَمْ يَفْعَلُواْ** (3:188)-(یعنی) جو کام وہ نہیں کرتے وہ چاہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے بھی ان کی تعریف کی جائے۔ جب کوئی قوم بے عمل و کاہل ہو جاتی ہے تو ان کے لیڈروں کا یہ ایک عام رویہ ہو جاتا ہے کہ وہ باتیں تو بڑی لمبی چوڑی اور پُرکشش کرتے ہیں لیکن ان باتوں کے مطابق کام بالکل نہیں کرتے اور چاہتے یہ ہیں کہ لوگ ان کی باتوں کی وجہ سے ان کے قصیدے پڑھیں یہ کمزوری صرف سیاسی راہنماؤں کی ہی نہیں ہوتی بلکہ مذہبی اور روحانی پیشوا بھی اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔لیڈروں کی اس کمزوری سے یہ تو ہوسکتا ہے کہ لوگ ان کے منہ پر ان کی تعریف کرتے رہیں' لیکن بالآخر معاشرہ بالکل کھوکھلا ہو جاتا ہے۔اور اس کی وجہ سے پھر عوام تمام لیڈروں کو ناپسند کرنے لگ جاتے ہیں۔ہمارا معاشرہ اس آیۂ کریمہ کے مفہوم کا منہ بولتا ثبوت پیش کرتا ہے۔

قرآنِ کریم میں حضورﷺ کی سیرت کی پختگی کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: **فَإِنَّهُمْ لاَ يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللّهِ يَجْحَدُونَ** (6:33)- وہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے بلکہ وہ ظالم آیاتِ خداوندی کا انکار کرتے ہیں۔اس آیت کریمہ سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ تیرے مخالفین' تیرے صدق و صفاء راستی اور بلند کرداری کے تو معترف ہیں صرف تیری دعوت کے برحق ہونے پر شک وشبہ کرتے ہیں۔اس آیت میں حضورﷺ کی سیرت کی انتہا کی بلندیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔مکہ کے کفار و مشرکین حضورﷺ کے ذاتی اعمال و افعال کی تکذیب نہیں کرتے تھے۔وہ حضورﷺ کی انتہائی حد تک تعریف کرتے تھے البتہ یہ کہتے تھے کہ جو نظریات و اقدار آپ دے رہے ہیں وہ سب غلط ہیں۔قرآنِ کریم نے اچھے لیڈروں کے اور بھی معیار بتائے ہیں' لیکن ہم ان چند پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ہمارے اس دور میں ساری دنیا کے لیڈر اور قائدین اچھی صفات سے بالکل عاری اور مبرا ہیں اور زیادہ تر لیڈر اپنے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔وہ ان ہی مقاصد کے حصول کے لئے ساری عمر گذار دیتے ہیں۔البتہ قائداعظم محمد علی جناحؒ اس جَم غفیر میں بالکل اکیلی اور تنہا شخصیت تھے۔جو **پختگئِ** سیرت میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ہندو راہنما جو ان کے سخت مخالف تھے' انہوں نے بھی قائداعظمؒ کی سیرت کی تعریف کی ہے۔جس طرح حضورﷺ کے مخالفین' ان کے نظریات و اقدار کی مخالفت کرنے کے باوجود حضورﷺ کی سیرت کے مداح تھے' اسی طرح قائداعظمؒ کے وہ مخالفین جو قیامِ پاکستان کے سخت دشمن تھے' انہوں نے بھی قائداعظمؒ کی دیانتداری' اخلاص اور راست گوئی کی تعریف کی ہے' حال میں جو کتاب

بھارت کے سابق وزیر خارجہ جسونت سنگھ صاحب نے تحریر کی ہے وہ اس بات کی گواہ ہے۔ اس کتاب کے علاوہ جو تبصرے اس کتاب پر آئے ہیں وہ بھی اس بات پر شاہد ہیں کہ قائداعظمؒ کے ہم عصر ہندو لیڈرز' قائداعظمؒ کی سیرت پر رشک کرتے تھے۔

بھارت میں ایک مشہور اخبار ''ہندو'' نام سے انگریزی زبان میں شائع ہوتا ہے۔ یہ ہندوستان کے معروف اخباروں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ قیام پاکستان کے وقت بھی شائع ہوتا تھا اور اب بھی شائع ہوتا ہے۔ انٹرنیٹ پر اس کو www.thehindu.com پر اب بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ قائداعظمؒ کی وفات 11 ستمبر 1947ء کو ہوئی تھی۔ دو روز بعد' یعنی 13 ستمبر 1947ء کی اشاعت میں' اس ''ہندو'' اخبار نے اپنا ایڈیٹوریل قائداعظمؒ پر ہی تحریر کیا ہے۔ ہمارے پاکستان کے مشہور اخبار The News نے ''ہندو'' کے اس ایڈیٹوریل کو' اپنی 24 اگست 2009ء کی اشاعت میں Verbative شائع کیا ہے۔ اس اداریہ سے پیشتر' اس کے تعارف کے طور پر چند کلمات ماری آنا بابر Mariana Baaber نے بھی تحریر فرمائے ہیں۔ اس اداریہ کا عنوان "BJP's animosity towards Qauide Azam unending" یہ ایڈیٹوریل قائداعظمؒ کی پختگیِ سیرت پر ایک واضح شہادت ہے۔ یہ ایک بڑا قیمتی Document ہے۔ اس اداریہ کی زبان بہت To the point, TERSE اور Forcible ہے اور ایجاز پر مبنی ہے۔ اس کے ایک ایک فقرے میں کئی کئی فقروں کا مضمون سمو دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ بہت محنت طلب تھا' لیکن میں نے اس کی اہمیت اور قائداعظمؒ سے عقیدت و محبت کے پیش نظر' اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اس لئے بھی کہ اب یہ اداریہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ ایک مرتبہ اس کا ترجمہ رسالہ میں طبع ہو کر محفوظ ہو جائے گا۔ اب آپ اس کے چند تمہیدی فقرے ''ماری آنا بابر'' کے اور پھر اصل اداریہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ رواں ہو' اور پورا مفہوم ادا ہو گیا ہو۔ **وھو ھذا**۔

بی جے پی' کے سینئر پارٹی ممبر مسٹر جسونت سنگھ نے جو کتاب قائداعظمؒ کے متعلق شائع کی ہے' اس میں انہوں نے قائداعظمؒ کو ایک وحشی شخصیت نہیں لکھا ہے۔ اس لئے اس کتاب کی اشاعت کے بعد BJP نے آزادی فکر کا تو گلا گھونٹ دیا لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اخبار ''ہندو'' نے جو اداریہ 13 ستمبر 1947ء کو تحریر کیا تھا اس کے لئے BJP کیا اقدام لے سکتی ہے' کیونکہ اداریہ نے قائداعظم کے متعلق تحریر کیا تھا:

''ہندو'' کا اداریہ

''اپنی سخت غم انگیز و اندوہناک حالت میں بھی وہ یہ کبھی نہیں بھول سکے کہ ہندوستان اور

پاکستان کی دوستی بہت ضروری ہے‘ ان کی اچانک موت کی اطلاع سارے ہندوستان میں رنج و افسوس کے ساتھ سنی گئی۔ صرف بارہ ماہ پیشتر تک وہ سارے ہندوستان میں صرف مسٹر گاندھی کے بعد دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ طاقتور لیڈر تھے۔ ان کی بڑی تعریف تھی‘ اگرچہ جو مقصد ان کے پیشِ نظر تھا‘ اس کو تعصب پر مبنی سمجھ کر اس کی تنقیص کی جاتی رہی۔ لیکن اس کے باوجود نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ دوسری قومیتوں میں ان کی اپنی ذاتی کھری صفات کی تعریف کی جاتی تھی۔ چالیس سال تک وہ ہندوستان کی نمایاں شخصیت رہے۔ تقریباً اس کے نصف حصہ تک انہوں نے اپنے آپ کو کانگرس کے ساتھ اس قدر وابستہ رکھا کہ آزادیٔ جدوجہد میں وہ نہایت پسندیدہ شخصیت شمار ہوتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں‘ معمارِ پاکستان ہونے کی وجہ سے‘ ان کی قوم نے ان کی اندھی تقلید کی‘ اس لئے وہ اپنی قوم میں منفرد اختیارات کے حامل تھے۔ اگرچہ چند سنجیدہ طبقے ان کی فراست پر کچھ شک کرنے لگے تھے۔ ایک ایسا دور جس میں صدیوں پرانی سلطنتیں دم توڑ رہی تھیں‘ بمبئی کے اس قانون دان نے ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالنے کا خواب دیکھنا شروع کر دیا۔ سیکولرازم کے اس دور میں‘ اس مسلمان نے جو کبھی بھی مذہبی خیال نہیں کیا جاتا تھا‘ اس نے اسلامی حکومت بنانے کے نظریہ پر (اپنا) وقت ضائع کر دینا شروع کر دیا۔ اور ان کا یہ خواب جلد ہی صحیح ثابت ہو گیا اور جو کامیابی انہیں حاصل ہوئی ہے اس پر کسی اور کو اس قدر تعجب نہیں ہوا ہو گا‘ جس قدر تعجب انہیں خود اس کامیابی پر ہوا ہو گا۔ مسٹر جناح ایک نہایت زیرک وکیل تھے ان کی کامیابی کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ ہر صورتِ حال کے نتائج و اثرات کو تاڑ جاتے تھے‘ ان کی کامیابی کسی خاص اصولوں کو اختیار کرنے‘ یا کسی خاص فلسفۂ حیات کی وجہ سے نہیں تھی‘ بلکہ ان کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ انہوں نے اپنی ساری توانائیاں صرف ایک ایسے مقصد کے لئے وقف کر دی تھیں‘ جو مقصد ہی دوسری طاقتوں نے ان کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ پورے تیس سالہ دور میں جس میں مہاتما گاندھی کو کوئی بھی قدم اٹھانے کا کلی اختیار تھا‘ اور جس دور میں انہوں (گاندھی نے) اپنے حالات سے مفاہمت بھی کی‘ وہ (قائداعظمؒ) ایک ہی مقصد پر جمے رہے۔

اس پورے دور میں قائداعظمؒ کے رویہ میں گاندھی کے رویہ سے ایک نمایاں فرق برقرار رہا۔

پاکستان کی ابتداء اقبال کے ایک شاعرانہ تخیل سے ہوئی ہے۔ رحمت الٰہی اور اس کے کیمرج کے انگریز ساتھیوں نے اس کو ایک عقیدہ اور ضابطۂ حیات مہیا کیا۔ حکومت برطانیہ کی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی نصف صدی کی سیاست بھی اس مقصد کی طرف رواں تھی۔ جناح نے اصل کام یہ کیا کہ مسلم لیگ کے مردہ جسم میں جان ڈال دی۔ جس کی وجہ سے عوام کو اپنا خواب پورا کرنا آسان ہوگیا۔ ایک ہی نسل میں دو عالمی جنگوں کے واقع ہونے سے بہت سی ریاستیں وجود میں آئیں اور برطانوی امارت کو انحطاط ہوا۔ یہ دونوں امور پاکستان بننے میں ممد ومعاون ثابت ہوئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مسٹر جناح نے مسلمانوں کی جارحانہ عصبیت کو ایک راہنمائی عطا کردی۔

یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ مسٹر جناح کی سیاسی زندگی کی ابتداء اس روشن خیالی کے ماحول میں ہوئی تھی جس کی داغ بیل وکٹورین دور کے سیاسی مدبرین نے ڈالی تھی۔ انہوں (جناح) نے ہمیشہ انگلستان کی پارلیمینٹری ڈیموکریسی کا ساتھ دیا اور انہوں نے دیانتداری پر مبنی خطابت میں کمال حاصل کیا۔ منٹو مارلے اصلاحات کے دوران انگریزوں نے مسلمانوں کو کانگرس سے جدا کرنے کی کوششیں کیں۔ انہوں نے (جناح) اس کی سخت مخالفت کی۔ عرصہ دراز تک وہ مسلم لیگ سے الگ رہے اور آخر کار جب انہوں نے لیگ میں شمولیت اختیار کی تو اس وقت بھی ان کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں میں محبت پیدا کرنا ہی تھا ان میں اختلافات پیدا کرنا نہیں تھا لیکن مسٹر جناح کے پیشِ نظر ایک اعلیٰ مقصد تھا۔ انہیں اپنی صلاحیتوں اور کامیابیوں پر بڑا زعم تھا اور بالکل ابتدائی زندگی میں ان کامیابیوں کے حصول نے ان کے زعم کو درست بھی ثابت کر دیا تھا۔ دوسروں کے اشاروں پر چلنا ان کو سخت ناگوار تھا۔ کانگرس اس زمانہ میں دادا بھائی نوروجی' مہتا' گوکھلے جیسی بلند وبالا شخصیات کے زیر اثر تھی۔ اس کے علاوہ بھی بائیں بازو کے مسٹر تلک کا بھی اس پر اثر تھا۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسٹر جناح نے کانگرس سے آہستہ آہستہ کنارہ کشی اختیار کی اور کچھ مواد جمع کیا جس سے وہ اپنے لئے ایک الگ پلیٹ فارم تیار کرسکیں۔ عین اس وقت جنگ عظیم (اول) شروع ہوگئی اور خود اختیاری کا خیال عام ترویج پا گیا۔ مسٹر جناح نے مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر جو 14 نکاتی فارمولا پیش کیا تھا وہ کوئی وقتی حادثہ نہیں تھا بلکہ حالات کا تقاضا تھا۔

مسلمانوں کا دوسروں سے الگ ہو جانے کا خیال' اس زمانہ میں ان کے لئے مضحکہ خیز تھا۔ انہیں علی برادران کی تحریک خلافت سے کوئی ہمدردی نہیں تھی' بلکہ وہ اس تحریک کو آگ سے کھیلنے کے مترادف سمجھتے تھے۔ وہ عوام کے جذبات کو بے لگام چھوڑنے سے خائف تھے' ان کے تاریخ کے مطالعہ نے ان کی یہ راہنمائی کی تھی کہ ایک مرتبہ اگر عوام کے جذبات بے قابو ہو جائیں تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا انجام کہاں پہنچے۔ اسی دوران وہ کانگرس سے بھی کنارہ کش رہے وہ آرام دہ زندگی گذارنے کے عادی تھے۔ انہیں ستیہ گرہ اور قید کی صعوبتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کانگرس جو گاندھی جی کے زیرِ اثر تھی' اس سے ان کے اجتناب کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ عوام کے مشتعل جذبات کے نتائج سے خوفزدہ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے سیاست سے سرد مہری اختیار کر لی لیکن اس دوران وہ نہایت گہری نظر سے سب باتوں کا جائزہ لیتے رہے۔ عوام سے رابطہ رکھنے کی کامیاب پالیسی سے جو گہما گہمی پیدا ہوئی اس سے وہ متاثر ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں جیسی پسماندہ قوم کو بھی مذہبی نعروں سے بیدار کیا جا سکتا ہے۔

وہ ایک عقلمند انسان تھے۔ فطری طور پر بھی اور اپنی پرورش کے اثر سے بھی' انہیں انارکی سے نفرت تھی۔ اسی لئے پہلی گول میز کانفرنس میں وہ واحد شخصیت تھے جنہوں نے ہندوستان کے لئے وحدانی حکومت کی حمایت کی تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ فیڈریشن ایسے مختلف اجزاء کا مجموعہ ہوتی ہے جس میں اختلافی میلانات موجود ہوتے ہیں۔ یہ زمانہ کی بدقسمتی تھی کہ ایک ایسی شخصیت نے وہ پالیسی شروع کی جس سے ایک ایسا ملک تقسیم ہو گیا جو کہ قدرتی طور پر ایک تھا اور جس پالیسی کے انجام کی کوئی نشاندہی نہیں کر سکتا۔ مسٹر جناح نے جن طاقتوں کی اندرونی حرکت کو جاری کیا تھا' وہ اس کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں تھے لیکن بدقسمتی سے وہ یہ کہنا پسند نہیں کرتے تھے کہ انہوں نے غلطی کی۔

جناح اپنے انتہائی عروج پر فوت ہوئے۔ وہ خود تاریخ میں اپنے مقام سے خوب واقف تھے۔ لیکن زندگی کے آخری ایام میں انہیں پاکستان کا فکر ضرور ہوگا' وہ پاکستان جس کا وجود انہوں نے بخشا تھا۔'' (ترجمہ ختم ہوا)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روزنِ دیوار سے

عطاء الحق قاسمی
attaul.haq@janggroup.com.pk

مولانا بے کنار گڑ گانوی سے ایک گفتگو

مولانا بے کنار گڑ گانوی اگرچہ مزاجاً بہت خشک واقع ہوئے ہیں اس کے باوجود ایک طویل عرصے سے مجھے ان کی نیاز مندی کا شرف حاصل ہے۔ یہ ان کی مہربانی ہے کہ جب وہ میرے ساتھ ہوتے ہیں تو کچھ دیر کے لئے اپنے خول سے نکلنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا ایک اضافی کرم یہ بھی ہے کہ وہ میری الٹی سیدھی باتیں بھی سن لیتے ہیں اور ان کا برا بھی نہیں مانتے۔ گزشتہ روز ان سے سرراہے ملاقات ہوئی تو میں انہیں ایک کیفے میں لے گیا۔ میں نے چائے کے ساتھ پیٹیز وغیرہ کا آرڈر بھی دینا چاہتا تو مجھے منع فرما دیا اور کہا کہ ''مجھے کھانسی ہے اور ڈاکٹر نے چکنائی والی چیزوں سے پرہیز کا کہا ہے۔'' میں نے پوچھا ''کس کا علاج کرا رہے ہو؟'' بولے ''ہمارے محلے کے ایک ڈاکٹر ہیں مجھ ناکارۂ خلق کے عقیدت مند ہیں۔ انہی کے زیرِ علاج ہوں۔ وہ مجھے ایک کف سیرپ دیتے ہیں جس کی ایک خوراک ہی سے مجھے کافی افاقہ ہوتا ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''حضرت کف سیرپ کی ایک خوراک کو ''خوراک'' نہیں ''پیگ'' کہتے ہیں۔'' پوچھنے لگے ''یہ ''پیگ'' کیا ہوتا؟'' میں نے کہا ''وہی جس کے پینے سے آنکھیں بند ہونے لگتی ہیں۔'' فرمایا ''آپ نے اچھا کیا بتا دیا ورنہ میں تو اکثر سونے سے پہلے کف سیرپ کے تین چار پیگ' معاف کیجئے' خوراک لے لیا کرتا تھا' اس سے نیند بہت اچھی آتی تھی۔''

بیرا چائے لے کر آیا تو میں نے مولانا بے کنار گڑ گانوی کو مخاطب کیا اور کہا ''حضرت! بہت دنوں سے ایک سوال ذہن میں کلبلا رہا ہے مگر مجھے اس کا مناسب جواب نہیں ملتا۔'' بولے ''آپ بتائیں ممکن ہے میں آپ کا خلجانہ دور کر سکوں۔'' میں نے عرض کی کہ اسلام میں تفریح کے تصور کے حوالے سے کچھ لوگ کنفیوژن پھیلاتے ہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ سارے دن کی تھکاوٹ کے بعد اعصاب کو سکون دینے کے لئے کون سی تفریح اختیار کی جا سکتی ہے؟'' بولے ''اعصاب کو سکون تو صرف اللہ کے ذکر ہی سے مل سکتا ہے۔'' میں نے کہا ''آپ نے بجا فرمایا لیکن

عبادات کو تفریح تو قرار نہیں دیا جا سکتا؟'' کہنے لگے ''آپ کی بات بھی صحیح ہے چنانچہ اسلام نے ان تمام تفریحات کی اجازت دی ہے جو آپ کے اخلاق کو بگاڑنے والی یا اللہ کی یاد سے دور لے جانے والی نہ ہوں۔'' میں نے پوچھا ''ایسی کون سی تفریحات ہیں؟'' مولانا کچھ دیر سوچتے رہے اور پھر بولے ''آپ ماشاء اللہ عاقل و بالغ ہیں آپ اس ضمن میں خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔'' اس پر مجھے کچھ حوصلہ ہوا چنانچہ میں نے پوچھا ''کیا ہم ہلکی پھلکی موسیقی سن سکتے ہیں؟'' فرمایا ''ہرگز نہیں' یہ اسلام میں حرام ہے۔'' میں نے عرض کی ''جس موسیقی کی میں بات کر رہا ہوں وہ نہ تو اخلاق بگاڑنے کا سبب بنتی ہے اور نہ اللہ کی یاد سے دور لے جانے والی ہے۔ اور پھر مولانا جعفر شاہ پھلواروی اور کئی دوسرے علماء نے موسیقی کی حرمت کے حوالے سے بے شمار اسناد پیش کی ہیں۔'' اس پر حضرت نے خشمگیں نظروں سے مجھے دیکھا اور فرمایا ''تو پھر یہ سوال آپ مجھ سے کیوں کر رہے ہیں۔ انہی سے کریں جنہیں آپ فہم دین میں مجھ سے بہتر خیال کرتے ہیں!''

میں حضرت کو ناراض کرنا افورڈ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میرے دل میں ان کے لئے بے کنار احترام ہے چنانچہ میں نے موسیقی کا باب وہیں بند کیا اور کہا ''چلیں چھوڑیں' میں اگر فارغ اوقات میں فوٹو گرافی کا مشغلہ اختیار کروں تو کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے؟'' بولے ''اسلام میں فوٹو گرافی حرام ہے۔'' میں نے کہا ''لیکن حضرت تمام علماء بڑے شوق سے تصویر اتر واتے ہیں اور اگر اخبار میں ان کی تصویر شائع نہ ہو تو شکایت کرتے ہیں!'' فرمایا ''علماء اپنے فعل کے خود ذمہ دار ہیں لیکن اسلام میں فوٹو گرافی بہرحال حرام ہے!'' اس پر مایوس ہو کر میں نے ان سے پینٹنگ' فلم بینی' سنگ تراشی اور میلوں ٹھیلوں کی رونقوں اور دیگر مشاغل کے بارے میں دریافت کیا مگر ان سب کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ یہ تمام شیطانی کام ہیں اور یوں اسلام میں حرام ہیں۔ میرے دل میں چونکہ حضرت مولانا کا بے حد احترام ہے چنانچہ میں نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا کہ ''قبلہ! اگر انسانی جذبوں کی تہذیب کرنے والے تمام ''فنونِ لطیفہ'' اور میلے ٹھیلے وغیرہ حرام ہیں تو پھر کسی صالح قسم کی تفریح کی نشاندہی کریں تاکہ لوگ اپنے تمام دن کی تھکن اتار سکیں اور یاد اللہ سے بھی غافل نہ ہوں۔'' اس پر حضرت نے فرمایا ''آپ عمدہ اور لذیذ کھانا کھا سکتے ہیں' کرکٹ کھیل سکتے ہیں اور اسی طرح دوسری کھیلوں مثلاً فٹ بال' ٹینس اور ہاکی وغیرہ میں حصہ لے سکتے ہیں' اسلام ان میں سے کسی تفریح کو حرام قرار نہیں دیتا۔'' میں نے پوچھا ''اگر کسی شخص کو ان میں سے کسی بھی تفریح کے ساتھ کوئی رغبت نہ ہو یا اس کے لئے جن وسائل کی ضرورت ہے وہ اسے مہیا نہ ہوں تو وہ کیا کرے؟'' میں نے محسوس کیا کہ میرے اس سوال پر حضرت پہلی دفعہ بدمزہ ہوئے ہیں

چنانچہ بولے ''یہ تو آپ کٹ حجتی پر اتر آئے ہیں۔'' چنانچہ میں نے مزید کٹ حجتی مناسب نہ سمجھی اور سوال کا رخ موڑتے ہوئے پوچھا ''ساز و آواز کے ساتھ منعقد ہونے والی محفل سماع کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟'' فرمایا ''یہ جائز ہے لیکن اس کے لئے قوال حضرات کا نیک' پارسا اور متقی ہونا ضروری ہے نیز شرکا بھی باوضو ہوں اور ان کے دل اللہ سے جڑے ہوئے ہوں۔'' میں نے دل میں سوچا یہ تو اجازت نہ دینے والی باتیں ہیں کیونکہ اس نوع کی احتیاطیں تو ہمارے ہاں کہیں بھی نہیں برتی جاتیں!

میرے ذہن میں ابھی اور بھی بہت سے سوال تھے جو میں نے حضرت سے کرنا تھے لیکن اس درمیان اچانک ابرارالحق کا گانا ''کنے کنے جانا اے بلو دے گھر'' فضاؤں میں گونجنے لگا۔ میں نے گھبرا کر بیرے سے کہا ''بند کرو یہ خرافات' دیکھتے نہیں قبلہ و کعبہ یہاں تشریف فرما ہیں۔'' اس پر یہ بدتمیز بیرا ہنسا اور بولا ''جناب! یہ گانا خود حضرت صاحب کے موبائل سے سنائی دے رہا ہے۔'' میں نے حضرت کی طرف دیکھا وہ بہت پریشان دکھائی دے رہے تھے' انہوں نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا ''اللہ جانے کس بدبخت نے یہ رنگ ٹون میرے موبائل میں بھری ہے۔ یہ شاید میرے بچوں میں سے کسی کی حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔'' اور پھر وہ مجھے خدا حافظ کہے بغیر ریسٹورنٹ سے باہر چلے گئے۔

کالم نگار نے اس کالم میں فنونِ لطیفہ یعنی موسیقی اور مصوری وغیرہ کے متعلق ایک خشک مزاج مولانا کی مضحکہ خیز روایتی سوچ کا خاکہ بیان کیا ہے۔ مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویز مرحوم نے اپنی تصنیف ''آرٹ اور اسلام'' کے صفحات 16 تا 19 پر موسیقی اور مصوری کے عنوان سے مندرجہ ذیل وضاحت فرمائی ہے:

موسیقی

خدا کے پیدا کردہ خام مسالہ کے تخلیقی امتزاج سے انسان کیا کچھ پیدا کرتا ہے' دنیا کی تاریخ تمدن وتہذیب اور داستان آرٹ اور سائنس اس کی زندہ شہادت ہے۔ جہاں تک آرٹ اور آرٹ میں موسیقی کا تعلق ہے' حضرت داؤدؑ کو اس میں بڑا نمایاں مقام حاصل ہے۔ انہوں نے عبرانی موسیقی مدون کی تھی اور مصری اور بابلی مزامیر (سازوں) کو ترقی دے کر نئے آلات ایجاد کئے تھے ان میں قانون اور بربط خاص طور پر مشہور ہیں۔ زبور ان کا صحیفہ ہے۔ اس میں' ہر باب کے پہلے یہ ہدایات موجود ہیں' کہ سردار مغنی ان آیات کو کس ساز کے ساتھ گائے۔ اس سے آخری باب میں ہے۔

> قرنائی پھونکتے ہوئے خدا کی ستائش کرو۔ بین اور بربط چھیڑتے ہوئے اس کی ستائش کرو۔ طبلہ بجاتے اور ناچتے ہوئے اس کی ستائش کرو۔ بلند آواز سے جھانجھ بجا کر اس کی ستائش کرو۔ خوش

آواز جھانجھ بجا کر اس کی ستائش کرو۔

(تورات۔صفحہ 616' شائع کردہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور 1966ء)

اس میں شبہ نہیں کہ تورات میں بہت کچھ تحریف ہو چکی ہے لیکن ہم موسیقی کے متعلق اس بیان کو اس لئے قابل قبول کہتے ہیں کہ جب قرآن کریم میں جنتی معاشرے میں موسیقی کی محفلوں کا ذکر ہے تو یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اس فن کی تہذیب وتزئین کی ہوگی۔اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خود ہمارے ہاں کی کتب احادیث کی شروح میں مذکور ہے کہ حضرت داؤدؑ باجے کے ساتھ گایا کرتے تھے (مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری)۔

کتب احادیث میں ہے کہ مسجد نبویﷺ میں حبشیوں کا ناچ ہو رہا تھا اور حضور نبی اکرمﷺ' ام المومنین حضرت عائشہؓ کے ساتھ کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق جو تصور عام طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ اس قسم کا ہے کہ آپ بڑے درشت مزاج قسم کے انسان تھے' جن کے ہاتھوں میں ہر وقت درہ' منہ میں جھاگ' آنکھوں میں شعلے اور ماتھے پر شکن رہتے تھے۔یہ ان کے مزاج کی غلط تصویر ہے۔وہ نہایت لطیف حسیات کے حامل اور بلند ترین ذوق جمالیات کے پیکر تھے۔آپ کے ذوق شعری کے متعلق ذرا آگے چل کر ذکر آئے گا۔جہاں تک موسیقی کا تعلق ہے آپ اس کا بھی ذوق رکھتے تھے۔عربوں کی موسیقی زیادہ تر حدی خوانی اور رجز نوائی تک محدود تھی۔اس سے آپ کیف اندوز بھی ہوتے تھے اور کبھی کبھی خود بھی ترنم سے شعر پڑھا کرتے تھے۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت عمرؓ کے مکان پر آیا تو میں نے سنا کہ اندر حضرت عمرؓ حدی خوانوں کی طرح گا رہے ہیں۔میں اندر گیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ جو کچھ میں پڑھ رہا تھا' تو نے اسے سنا تھا۔جب میں نے کہا ہاں تو فرمایا کہ جب ہم تنہا ہوتے ہیں تو جیسے عام لوگ گاتے ہیں' ہم بھی گاتے ہیں۔

خلوت ہی میں نہیں بلکہ جلوت میں بھی۔ایک دفعہ آپ کسی قافلے کے ساتھ جا رہے تھے تو ایک شعر اس ترنم کے ساتھ پڑھا کہ لوگ سننے کے لئے گرد جمع ہو گئے۔آپ نے یہ دیکھا تو جھٹ سے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔اس پر لوگ منتشر ہو گئے۔پھر ویسے ہی گایا تو لوگ جمع ہو گئے اور جب آپ نے پھر قرآن پڑھنا شروع کر دیا تو وہ منتشر ہو گئے۔ہنس کر فرمایا کہ ''ان شیطانوں کی ذریت کو دیکھو۔گانا گاتا ہوں تو لپک کر آ جاتے ہیں اور قرآن پڑھتا ہوں تو بھاگ جاتے ہیں۔''

ایک قافلہ کے ساتھ' جس میں حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عباسؓ بھی تھے' چرواہوں کی ایک ٹولی آ ملی۔شام ہوئی تو چرواہوں نے رباح فہری سے' جو مشہور گانے والا تھا' حدی خوانی کی فرمائش کی۔رباح نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ قافلے کے ساتھ حضرت عمرؓ بھی ہیں۔انہوں نے کہا کہ تم شروع کرو۔اگر حضرت عمرؓ نے

روک دیا تو بند کر دینا۔ اس نے شروع کیا تو حضرت عمرؓ نے کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ سن کر خوش ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو رباح سے کہا کہ اب بس کرو۔ ذکرِ الٰہی کا وقت آ گیا ہے۔ دوسری شب دو چرواہوں نے رباح سے ایک اور گانے کی فرمائش کی جو حدی خوانوں ہی کے انداز کا تھا۔ اس سے بھی حضرت عمرؓ اسی طرح کیف اندوز ہوتے رہے۔ تیسری شب انہوں نے کچھ بازاری قسم کے گانے کی فرمائش کی تو اسے سن کر آپ نے رباح سے کہا کہ یہ نہیں بھائی! اس سے دلوں میں انقباض اور کدورت پیدا ہوتی ہے۔

ان واقعات سے موسیقی کے جواز و عدم جواز' اور سرود حلال و حرام کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے کھینچے ہوئے یہی خطوطِ امتیاز تھے جن کی روشنی میں اقبالؒ نے کہا تھا کہ ''سرود حلال'' وہ ہے کہ

جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف سے پاک
اور پیدا ہو ایازی سے مقامِ محمود

اس کے برعکس

اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
حرام میری نگاہوں میں نائے و چنگ و رباب

مصوری

حضرت سلیمانؑ کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ انہوں نے مختلف علاقوں کے نادرہ کار صناع اپنے ہاں اکٹھے کر رکھے تھے۔ **يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِن مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ** (34:13)- جو حضرت سلیمان کی منشاء کے مطابق' ان کے لئے بڑے بڑے محلات تعمیر کرتے تھے اور ان میں مجسمے تراشتے یا تصاویر بناتے تھے۔ تماثیل کا لفظ مجسمے اور تصاویر دونوں کے لئے آ سکتا ہے۔ جہاں تک تصاویر کا تعلق ہے ان کے جائز اور حلال ہونے میں اب کسی قسم کا شبہ ہی نہیں رہا۔ میں نے ''اب'' کا اضافہ اس لئے کیا ہے کہ بڑے بڑے مدعیانِ شریعت جو آج سے کچھ عرصہ پہلے تک' تصویر اتروانا تو کجا' تصویر دیکھنا بھی حرام قرار دیتے تھے' اب پوز دے کر' بڑے طمطراق سے اپنی تصویریں کھنچواتے اور ان کی نمائش کراتے ہیں۔ جہاں تک مجسمہ سازی کا تعلق ہے' حال ہی میں حکومت سعودی عرب کی طرف سے' مودودی صاحب کو جو ایوارڈ ملا ہے' اس کے تمغہ (Medal) میں' شاہ فیصل (مرحوم) کی تصویر ڈھلی ہوئی ہے۔ یہ تو تصویر سے آگے بڑھ کر مجسمہ کے ذیل میں آ جاتا ہے۔ اس باب میں بھی حضرت عمرؓ کا مسلک بطورِ مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ جب مدائن کی فتح کے بعد اسلامی لشکر' کسریٰ کے قصرِ ابیض میں داخل ہوا تو اس میں یہاں وہاں' مجسموں کے حسین و جمیل شاہکار نصب تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے انہیں نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا اور حضرت عمرؓ نے ان کے اس فیصلے کی تصویب فرمائی اور اس طرح ان مجسموں کو ضائع ہونے سے بچا لیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمیل احمد عدیل، بورے والا

ایمان سے ایقان تک

ایمان۔۔۔قرآنِ مجید کی بنیادی اصطلاح ہے اور سینکڑوں آیاتِ مبارکہ میں یہ لفظ بیانیے کا حصہ بنا ہے۔ انگریزی میں اس کا ترجمہ بالعموم Faith کیا جاتا ہے اور Faith کا مطلب ہے بن سوچے، بن سمجھے، بن جانے کچھ تسلیم کر لینا۔ کیا انسان جانے بغیر مان سکتا ہے؟ ماننے کو تو وہ مان سکتا ہے مگر اسے اس طرح ماننے کی اجازت نہیں ہے کہ اللہ نے اسے غور و فکر کی بنیادی صلاحیت اس شرط کے ساتھ عطا فرمائی ہے کہ وہ اس ودیعتی استعداد کو لازماً استعمال کرے۔ ایسا نہ کرنے پر وہ اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہے اور اگر ایک فرد یہ کہے کہ بن جانے ماننا ہی افضل ہے تو بتایا جائے کہ علم و بصیرت کو بائی پاس کر کے کوئی گمراہی و ضلالت، شر اور کفر کو یہی کچھ قبول کر کے مان لے اور پوچھنے پر بتائے: ہاں میں انہیں بلا عقل، بلا دلیل تسلیم کرتا ہوں تو کیا اس کی قبولیت قابلِ اعتنا ہو گی؟

واقعہ یہ ہے کہ قدرت انسان سے ایسی کوئی حقیقت منوانا ہی نہیں چاہتی جسے وہ کسی نہ کسی حد تک جان نہ سکے۔ اب نہ جاننا اور جان نہ سکنا میں جو فرق ہے، وہ اصحابِ ذوق سے پوشیدہ نہیں۔ دین میں اگر فرد کو پہلے ایمان لانے کی تلقین کی جاتی ہے تو اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ بعد میں وہ اس سچائی کو پایۂ ثبوت تک پہنچا نہیں سکتا اور آگے بڑھئے، دینیات میں یہ اساسی قدغن ہے کہ فرد جس صداقت کو ابتدا میں مکمل جانکاری کے بغیر تسلیم کر لیتا ہے، بعد ازاں وہ اسے اللہ کے عطا فرمودہ علم اور اسی کی بخشی ہوئی عقل سے استفادہ کرتے ہوئے گہرائی تک جانے کہ اسی سے دل و دماغ کامل اطمینان کی ثروت سے بہرہ مند ہوں گے۔ فی الاصل ''ایمان لانا'' آغازِ سفر کا مسئلہ ہے کہ کچھ مانے بغیر پہلا قدم اٹھ نہیں سکتا۔ لیکن یہاں بھی Choice مسافر ہی کے پاس ہے، مانے چاہے نہ مانے۔ اگر کسی سے قدرت کچھ زبردستی منوانا چاہتی تو اس سے منوا کر ہی دنیا میں بھیجتی۔ یوں طے شدہ، جانی ہوئی، مانی ہوئی یعنی مسلمات پر ''ایمان لانے'' کا اصول اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ جو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، اسے اپنی بینائی پر ایمان لانے اور اس کا اعلان

کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا ماننے کا مطلب ہی یہ ہے' کسی ایسی حقیقت کو تسلیم کرنا' جسے آگے جا کر جاننے کے عمل کا حصہ بنا ہے۔

دوسرے لفظوں میں کسی مومن کے ایمان کا مدار اس وقت تک مکمل ہی نہیں ہوسکتا جب تلک وہ اس حقیقت کو ممکن حد تک جان نہ لے جسے اس نے شروعات میں اس لئے مان لیا تھا کہ ایسا کرنا ابتدائے سفر کی مجبوری تھی۔ ہاں جو مسافرت ہی اختیار نہیں کرنا چاہتے وہ ایمان لانے سے بہرحال مستثنا ہیں۔ چنانچہ وہ منزل کے گلِ مراد سے دستبردار ہوکر گویا منادی کر رہے ہیں کہ ہمارا کسی اعزاز' کسی انعام پر کوئی حق نہیں ہے۔ سوا ایسوں کا مقدر ان کے ساتھ!...... وہ متشکک جو جاننے سے آغاز کرتا ہے اور حقیقت تک پہنچ نہیں پاتا' بالکل اس ''مومن'' جیسا ہے جو مان لینے کے بعد جاننے کے عمل میں سے نہیں گزرتا۔ ہمارا تو المیہ ہی یہ ہے کہ یہاں ''ابتدائی تسلیمات'' کے بعد ''مومنین'' کو Relax کر دیا جاتا ہے کہ کائنات' حقائق اور الوہی معارف سے واقفیت ضروری نہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ کوئی طالب علم کسی تعلیمی ادارے میں داخلہ لے اور بغیر پڑھے' پڑھائے' بغیر امتحان' بغیر پریکٹیکل ڈگری یافتہ ہو جائے۔ ایسی ناانصافی تو عام دنیوی تعلیمی اداروں میں بھی نہیں ہوتی۔

ایمان ایک خاص درجے میں فی الواقع یقین ہی کا مترادف ہے اور یقین کو Conviction کہا جاتا ہے جو شے انسانی حواس و مدرکات میں کسی نہ کسی اعتبار سے جزوی یا کلی طور پر سما سکتی ہے' اس پر یقین ممکن ہے۔ قرآن نے یقینیات کے تین درجات بیان فرمائے ہیں:

(1) علم الیقین (2) عین الیقین (3) حق الیقین۔

ایمان لے آنا یا کسی مطلق صداقت کو تسلیم کر لینا حقیقتاً ایک نہایت اہم اعلانیہ ذمہ داری ہے کہ اب میں پابند ہوں' اس ایمان کو یقین کی منزل سے ہمکنار کرنے کے لئے۔ اسی لئے تو خدا نے ایمان کا عمل سے جوڑا بنایا ہے۔ مگر کوئی ایمان' عمل کا صحیح معنوں میں حصہ تو تب بنے گا' جب اس ایمان سے نظری شناسائی اور علمی واقفیت کے مدارج طے ہونے لگیں گے اور یہ کوشش بجائے خود ایک احسن عمل ہے۔

یہاں یہ توضیح ازبس ناگزیر ہے کہ انسان اسی ایمان کو ایقان کی سرحد تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے' جس کا تعلق اس کی عملی زندگی سے ہے یعنی جس باب میں اس سے پوچھ گچھ ہونی ہے۔ اس پہلو کی مزید صراحت اس مثال سے ہوسکتی ہے کہ ہر مسلمان کا ایمان ہے ہمارے آخری نبی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پر قرآن مجید بذریعہ وحی نازل ہوا۔ اب اس سچائی پر تجربی ایمان لانے یعنی اسے جزوِ یقین بنانے کی دو صورتیں ہیں کہ:

1- یہ جانا جائے آپ ﷺ پر وحی کیسے نازل ہوتی

تھی؟ یعنی نزولِ وحی کے تجربے میں شریک ہوا جائے۔

-2 جو کچھ وحی یعنی قرآن میں بیان ہوا ہے' ان صداقتوں کو ماننے کے بعد فکری روشنی میں پرکھ کر اپنے حسنِ عمل کا حصہ بنایا جائے' گویا وحی کے مفید اور دلکش نتائج سے فیض یاب ہوا جائے۔

ہماری نگاہ میں ایمان کو یقین تک پہنچانے کی دوسری شق ہی قابلِ عمل ہے اور اسی کے مومنین مکلّف ہیں' وگرنہ عہدِ رسالتﷺ میں بھی نبوت کے تجربے میں کسی کو بھی شریک نہیں کیا گیا اور اصولی طور پر اس کی ضرورت بھی نہیں تھی اور یہ ذوقی نکتہ بھی پیشِ نظر رہے کہ قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر یقین حاصل کرنے کا بہترین طریق یہی ہے کہ اس عظیم کتاب کے معارف کو جانچ کر دیکھا جائے یعنی ان نتائج کو محسوس صورت میں دیکھنے کا تجربہ کیا جائے جن کی بابت دعویٰ کیا گیا ہے کہ انسانیت کے لئے ان سے بہتر قوانین ممکن ہی نہیں۔ باقی رہا ایمانیات کے حوالے سے اللہ کی ذات پر ایمان لانے کا سوال' تو ہم ''معرفتِ ربانی'' کے مدعیان کو انتہائی رشک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہماری ناقص فہم اب تک یہ نہ سمجھ سکی کہ جسے اللہ کی ذات کا عرفان حاصل ہو گیا ہے' اس کا حاسۂ عقل ذاتِ خداوندی سے کم تر کیسے ہو گیا؟ اگر انسانی شعور اللہ کی ذات کو پہچان گیا ہے تو پھر اسے کھڑے ہو کر سیلوٹ کرنا چاہئے کہ یوں وہ اپنے آپ اللہ کی ذات سے برتر ثابت ہو گیا (معاذ اللہ!) آخر کون ہے وہ جو خم ٹھونک کر دعویٰ کرتا ہے' میں اللہ کے وجود کو شناخت کر چکا ہوں؟ مطلب یہ کہ میرے شعور نے اللہ کی ذات کا احاطہ کر لیا ہے......سیدھی سی بات ہے اللہ کو کوئی جان ہی نہیں سکتا۔ یہ ممکن ہی نہیں...... تو پھر اللہ پر ایمان' ایقان سے محروم ہی رہے گا؟ نہیں ایسی بات نہیں۔ انسان اللہ کی صفات کو جان سکتا ہے' بالکل جان سکتا ہے لیکن اس استدراک کے ساتھ کہ اللہ کی صفات بہرطور اللہ کی ذات نہیں ہیں اور اللہ کی صفات کیا ہیں؟ اللہ کے قوانین ہی اللہ کی صفات ہیں۔ خود انسان بھی تو اللہ ہی کی ایک صفت ہے۔ ایک ہوشمند انسان کو صفاتِ خداوندی کی جانکاری کی ابتدا اپنے آپ سے کرنی چاہئے۔ رہا ذاتِ خداوندی کے ادراک کا طبعی تجسس تو اللہ کی طرف سے یہ Assignment (کہ مجھے جانو) نہ صرف کبھی کسی انسان کو ''الاٹ'' ہی نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کی طفلانہ ضد ''ربِ ارنی'' کے جواب میں یہ کورا اسلوب ہی نازل ہوا ''لن ترانی!'' واضح رہے کہ اس ''حقیقتِ منتظر'' کو لباسِ مجاز میں دیکھنے کی انسانی تمنا کبھی پوری ہو بھی نہیں سکتی (Even جہانِ فردا میں بھی) اس لئے کہ انسان کی تفہیم کا مدار منطقی طور پر اللہ کی ذات پر حاوی نہیں آ سکتا' آ ہی نہیں سکتا اور جس دن بالفرض آ گیا اس دن خاکم بدہن انسان خدا سے بھی بڑا خدا ہو جائے گا۔ اب جبینِ نیاز میں اگر

ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تو کیا کیا جائے کہ:

اس نے پیکر میں نہ ڈھلنے کی قسم کھائی ہے
اور مجھے شوقِ ملاقات لئے پھرتا ہے

کیا ایسے معصوم مجسم جستجو کے لئے یہ زیادہ بہتر نہیں ہے کہ وہ سمعی و بصری واہموں میں الجھنے کی بجائے اپنی غیر معمولی توانائی کو مخلوقِ خدا کی نشو ونما کے لئے صرف کرے! اگر لاادریت (Agnosticism) کے معانی یہی ہیں' یہ عقیدہ کہ ہم کو وجودِ باری تعالیٰ کا علم وادراک نہیں ہوسکتا۔ تو ہماری رائے میں انسان کے پاس Agnostic ہونے کے سوا اور چارہ کیا ہے؟ یہاں ہمیں اس سے سرِ دست بحث نہیں ہے کہ رسل کن اصطلاحی معنوں میں Agnostic تھا؟ ویسے لارڈ برٹرینڈ رسل سے یاد آیا۔ جن پڑھے لکھوں نے اس عظیم شخص کا معتبر نام سن رکھا ہے' انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ گزشتہ صدی کا یہ دماغ بہت بڑا فلسفی' ریاضی دان اور بہت ہی قابل ذکر متشکک ہے۔ اس کا مسلک یہ تھا کہ شک سے ابتدا کرو یعنی کسی بھی نظریئے' خیال یا عقیدے کو فوراً تسلیم نہ کرلو بلکہ اسے شبہے کی نظر سے دیکھو! یوں تشکیک سے تحقیق کی طرف سفر اختیار کیا جائے۔ اس منہاج کی علمی معنویت اپنی جگہ مسلم' لیکن اسے دلچسپ اتفاق ہی کہئے کہ ''شک پرست'' یا شک پر یقین رکھنے والے عام طور پر قطعی' حتمی' دوٹوک' روشن اور واضح یقین کی منزل سے ہمکنار نہیں ہو پاتے۔ اس لئے کہ انجام کار یہ یقین کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں۔ اس کے متوازی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی سچائی کو قبول کر لینے کے بعد تحقیق کے مراحل سے گزار کر اپنے یقین کو پختہ کرنا۔ ضمناً عرض ہے کہ ابتدا میں اگر کوئی کسی صداقت کو بغیر جانے مان لیتا ہے تو وہ مطلق بے علمی کی بنا پر ایسا نہیں کرتا۔ جن صداقتوں کو بن پرکھے مانا جاتا ہے' ان صداقتوں کے پیش کار کے صادق ہونے پر دراصل یقینِ محکم ہوتا ہے اور کسی کو جب بھی ہم صادق مانتے ہیں' کسی شہادت کی بنیاد پر مانتے ہیں اور (معقول) شہادت ہمیشہ عقل کے معروضی پیمانوں کے کڑے معیار سے گزر کر ہی وجود پذیر ہوا کرتی ہے چاہے یہ شہادت کسی جید سائنسدان کی ہو یا اس شیرخوار بچے کی جسے اس کا باپ فضا میں اچھالتا ہے تو وہ قلقاریاں مارتا رہتا ہے۔ اس کا تجربہ مضبوط گواہ جو ہے کہ یہ فرد مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔ اس نے پہلے بھی کبھی مجھے گرنے نہیں دیا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی دیگر محبتیں بھی سرا میرے شاملِ حال رہی ہیں۔ یہی بچہ جب بالغ ہو جائے گا تو وہ اپنے اس ایمان کو (کہ یہی شخص میرا والد ہے) یوں پختگی دے گا' یوں اسے یقین تک پہنچائے گا کہ اس کی طرف سے ورثے میں ملنے والی مستقل اور مثبت قدروں کو فروغ دے گا' اپنی ذات کو نشو ونما دے کر اس بے بدل رشتے کی معنویت کو اجاگر کر کے تعمیر ملت کے پروگرام کی تکمیل کرے گا۔ یہی برتاؤ درحقیقت قبولِ ایمان کے بعد ایقان سے ہوتا ہوا اطمینان

سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ باقی رہا Pragmatic Test کا مسلمہ طریقہ تو قوانینِ خداوندی کی مطلقیت خوب پرکھ کر دیکھ لیجئے۔ نتیجہ وہی نکلے گا جسے شروع میں ''بالغیب'' مان لیا تھا۔ تاہم شروع میں مان لینے میں فائدہ یہ ہے کہ بہت سا وقت بچ جاتا ہے' خساروں سے حفاظت کا سامان ہو جاتا ہے۔ البتہ قلبی طمانیت کے لئے جستجو کا سفر جاری رہنا چاہئے اور جستجو کو تحقیق کے حلقے میں ہی رہنا چاہئے' تفتیش کے دائرے میں گردش نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے انسان کے پاؤں کہیں جم نہیں سکتے۔ (باباجی کی رفاقت کا انعام)۔

نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر' فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں'' شائع ہوگیا ہے۔ یہ فکر انگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25 بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔ 534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت -/300 روپے ہے۔ 50 فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف -/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

بایزید یلدرم

صابر صدیقی صاحب کا نام طلوع اسلام کے حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ طلوع اسلام ٹرسٹ سے ان کی کتابیں ابلۂ مسجد' اور کن فیکون شائع ہو کر قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ''بایزید یلدرم'' ان کا ایک تاریخی ناول ہے جو انہوں نے بہت محنت سے لکھا ہے۔ یہ ناول ادارہ طلوع اسلام سے رعایتی قیمت -/150 روپے علاوہ ڈاک خرچ میں دستیاب ہے۔

ضرورتِ رشتہ

ایک بیٹی کے لئے رشتہ درکار ہے۔ عمر تقریباً 34 سال' شیخ فیملی' رنگ گندمی' جسامت فربہی مائل' تعلیم بی۔ اے' کے لئے جہیز کی خواہش نہ رکھنے والے' اسلامی ذہن کے حامل رابطہ کریں:

فون: 042-37636385

☆☆☆

بیٹی کی عمر 28 سال' فیملی ارائیں' تعلیم ایف۔ اے' رنگ گورا' کے لئے جہیز کی تمنا نہ کرنے والے اعلیٰ اقدار کے حامل فرد کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ

فون: 042-37636385

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آصف جلیل، کراچی

سوچ اور عمل

جس وقت میں قرآن کریم کو سمجھنے کے ابتدائی مراحل میں تھا تو میں نے ایک درس میں مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ سے سنا کہ دل میں گزرنے والے خیالات پر بھی گرفت ہوگی تو ذہن نے قبول نہ کیا کیونکہ یہی سن رکھا تھا کہ اگر انسان گناہ کرنے کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے تو اس صورت میں کچھ بھی نہیں ہوگا۔ مذہب جو نقوش چھوڑتا ہے انہیں مٹانے میں وقت تو لگتا ہی ہے۔ بعد میں یہ بات واضح ہوگئی مگر جب میں نے علم النفس سے متعلق کتب کا مطالعہ کیا تو مجھ پر قرآن کریم کی ایک اور عظیم حقیقت عیاں ہوئی۔ بظاہر یہ ایک آیت ہی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ دل میں گزرنے والے خیالات اور آنکھ کی خیانت سے آگاہ ہے'' لیکن اس میں حقائق کا ایک سمندر ہے جس کے بہت تھوڑے سے حصے تک انسانوں کی رسائی ہوئی ہے۔

علم النفس کے ماہرین کا کہنا ہے کہ انسان کے تمام تر رویوں اور طرزِ عمل کا دارومدار اس کی سوچ پر ہے۔ انسان کوئی بھی اچھا یا برا عمل کر رہا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کی منصوبہ بندی اس کے ذہن میں ہوتی ہے۔ جو عمل بظاہر اچانک سرزد ہوتے ہیں ان میں سے بعض کا تعلق اس طرزِ عمل کی بنا پر ہوتا ہے جو اس نے سیکھ رکھا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جس شخص کی سوچ یہ ہو کہ بوقت ضرورت جھوٹ بولا جا سکتا ہے تو اگر اسے اچانک کسی ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ جائے جس پر اس کی باز پرس ہو سکے تو وہ فوراً جھوٹ کا سہارا لیتا ہے۔ اور اگر ایک جھوٹ سے کام نہ بنے تو کئی جھوٹ بول لیتا ہے۔ لیکن جو عمل غیر ارادی طور پر سرزد ہو جائیں ان پر اللہ تعالیٰ کی گرفت نہیں ہوتی، البتہ اس کے اثرات کو زائل کرنا فرد اور حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر حادثاتی طور پر کسی کی جان چلی جائے یا وہ زخمی ہو جائے۔

پاکستان میں اخلاقی دیوالیہ پن اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ جس کا واحد سبب یہی ہے کہ نہ صرف خواص بلکہ عوام کی سوچ بھی ایسے سانچے میں ڈھل چکی ہے جو کسی قسم کے

قانون کی پابندی سے نا آشنا ہے۔ اکثریت ہر وقت اسی کوشش میں لگی رہتی ہے کہ کسی طرح مال و دولت حاصل ہو جائے چاہے اس کے لئے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا پڑے۔ یہاں ملک کا سربراہ ہو یا اس کے وزراء، صوبائی وزیر اعلیٰ ہوں یا ان کے وزیر، اداروں کے سربراہ ہوں یا عام ملازمین سب کے سب ملکی قوانین اور رولز کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ کسی کو معمولی سا بھی خوف نہیں کہ اس کے خلاف کاروائی ہوسکتی ہے کیونکہ ایسا کرنا جن لوگوں کی ذمہ داری ہے وہ خود بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے ہیں۔ یہ سب کارستانی ہے اس سوچ کی جو ہمارے معاشرے میں رچ بس گئی ہے۔

اگر کسی شخص کی انفرادی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ وہ بہت سے مسائل اور مشکلات میں صرف اپنی منفی سوچ کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے۔ بعض منفی سوچیں ذاتی عوامل کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔ جیسے وہم، خوف، اعتماد کی کمی، ضد، انا پرستی وغیرہ جن کی وجہ سے انسان اپنی خود پیدا کردہ پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ ان میں سے انا پرستی اور ضد ایک ایسی منفی سوچ ہے جو ازدواجی اور عائلی زندگی کو تباہ کر دیتی ہے۔ اور اسی کے باعث دوست اور احباب چھوٹ جاتے ہیں۔ کچھ کا تعلق معاشرے سے ہے۔ رسم ورواج' عزت' غیرت' مہمان نوازی' دوستی جیسے کئی امور ہیں جن کی وجہ سے انسان مالی مشکلات میں مبتلا ہوتا ہے یا کبھی ختم نہ ہونے والی دشمنی اور اس کے نتیجے میں جان و مال کے خطروں میں گھرا رہتا ہے۔ جو سوچ مذہب کی وجہ سے ہوتی ہے اس کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے جسے مٹانا نہایت مشکل ہے کیونکہ ہر شخص اسے اپنے اپنے عقیدے کے مطابق اللہ' خدا' بھگوان وغیرہ سے منسوب کرتا ہے۔ ان عقائد میں تقدیر کا نظریہ جو حیرت انگیز طور پر سب مذاہب میں یکساں ہے' سب سے زیادہ انسانوں کو پستی میں دھکیلنے کا سبب ہے۔ اس سے انسان ذہنی اور عملی طور پر مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ ظلم وستم برداشت کرتا رہتا ہے لیکن اس کے خلاف احتجاج کرتا ہے نہ اسے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک اور سوچ کو بھی مذہبی تقدس حاصل ہے کہ ''اللہ معاف کر دیتا ہے''، جس کی وجہ سے ہر طرح کی برائیاں اور جرائم پروان چڑھ رہے ہیں جو روکے نہیں رکتے۔ حکومت نے عوام کو بیشمار مشکلات میں اس قدر جکڑ رکھا ہے کہ وہ دل میں عقیدت لئے اپنے مسائل حل کرنے کے لئے کبھی کسی پیر صاحب کے پاس جاتے ہیں اور کبھی کسی آستانے پر۔ جن ملکوں کے حکمراں عوام کے مسائل سے غافل اپنی عیاشیوں میں مبتلا ہوتے ہیں وہاں اس طرح کے مذہبی نظریات کو حکومتی سطح پر فروغ دیا جاتا ہے تاکہ عوام ان کے خلاف اٹھ نہ کھڑے ہوں۔ مزاروں پر کروڑوں روپے خرچ کر دیئے جاتے ہیں جبکہ اس رقم کو تعلیم کے فروغ کے لئے کام میں لایا جا سکتا ہے جسکی عوام کو ضرورت ہے۔

بین الاقوامی سطح پر ملکوں کی سوچ سے دنیا خطرات میں گھری ہوئی ہے۔ جب سے انسانوں نے مل جل کر رہنا شروع کیا ہے، ایک گروہ کا دوسرے پر طاقت کے زور پر غلبہ پانے کا عمل جاری وساری ہے۔ صرف وہ عرصہ اس سے مستثنیٰ ہے جب انبیاء کرام نے معاشرے کے نظام کو درست کیا۔ اس کے سوا انسانی تاریخ خونریزی سے عبارت ہے۔ دوسروں پر تسلط قائم کرنے کے انداز اور ہتھیار بدلتے رہے لیکن اس کے پیچھے جو سوچ تھی وہ ایک ہی تھی کہ طاقت کے بل پر دوسروں پر حکمرانی کی جائے اور ان کے وسائل پر قبضہ کرلیا جائے۔ آج بیشتر ممالک ایسے ہیں جنہیں نوآبادی نظام سے آزادی حاصل کیے ہوئے پچاس' ساٹھ سال ہو گئے ہیں۔ موجودہ دور میں مہذب کہلانے والی قومیں دوسرے ملکوں کا استحصال نت نئے طریقوں سے کر رہی ہیں جن سے کچھ ممالک غریب سے غریب تر ہو رہے ہیں۔ امریکی سرمایہ داری نظام کا مقصد بہت سے ممالک میں موجود قدرتی وسائل پر قبضہ کرنا ہے، اگر جی حضوری سے ممکن نہ ہو تو بہانے سے طاقت کا استعمال کیا جاتا ہے۔

نفسیات کے ماہرین علاج کی غرض سے یہی کرتے ہیں کہ انسان کی منفی سوچ کو تبدیل کر دیا جائے اور یہ بہت مشکل کام ہے کیونکہ تبدیلی کا عمل اس وقت شروع کیا جاتا ہے جب یہ منفی سوچ اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہوتی ہے۔ بعض اوقات ناممکن بھی ہو جاتا ہے کیونکہ کسی قسم کے دباؤ یا سختی کرنے سے کسی کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا نہ کسی لالچ یا ڈر سے ایسا ممکن ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو اس سے اس کی سوچ وقتی طور پر دب جاتی ہے اور پھر اس سے بھی زیادہ شدت سے ابھر سکتی ہے۔ رہا سوال مذہبی عقائد کا تو کوئی شخص انہیں آسانی نہیں چھوڑتا' چاہے ان کی وجہ سے اس کی زندگی اجیرن بنی رہے۔ اس کے لئے بہت محنت کی ضرورت ہوتی ہے کہ اسے آہستہ آہستہ سوچنے پر آمادہ کیا جائے کہ وہ خیالات کی بجائے زمینی حقائق پر یقین رکھے۔ جب وہ اپنی سوچ کی بنیاد اسباب وعلل پر رکھنا شروع کر دے تو اصلاح کے عمل کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ اگر خود کو مسلمان کہلانے والے صرف قرآن کریم کو اپنا معیار بنالیں تو خود بخود انکی سوچ مثبت ہو جائے گی۔

ماہرین نفسیات کے مطابق بہت چھوٹی عمر میں ہی بچے کی آئندہ زندگی کے طرز عمل کی بنیادیں رکھی جا رہی ہوتی ہیں۔ اس وقت اس کے والدین یہی کہتے ہیں کہ بڑا ہو کر ٹھیک ہو جائے گا' حالانکہ اگر دیوار کی بنیادیں ہی ٹیڑھی ہوں تو وہ بعد میں سیدھی نہیں ہوتیں۔ پودے کے تنے کو بانس کے ذریعے سیدھا کیا جا سکتا ہے لیکن درخت کا تنا سیدھا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے اگر بچپن ہی سے کسی شخص کی زندگی کو قرآن کریم کے سانچے میں ڈھال دیا جائے تو پھر اس کی زندگی خوشگوار گزرے گی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسے کبھی مشکلات پیش آئیں گی ہی نہیں' بلکہ وہ ان

مشکلات پر بآسانی قابو پالے گا کیونکہ اس کے سوچنے کا اندازمثبت ہو جاتا ہے۔

ایک اور اہم بات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اکثر لوگ باتوں کی حدتک بہت مثبت سوچ کی عکاسی کرتے ہیں' لیکن ان کا عمل اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ایسا کرنے والوں کو منافقین کہا جاتا ہے۔ عام طور پر لوگ دوسروں کی باتوں سے بہت جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ چالاک لوگ اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اگر انسان دوسروں کی باتوں کی بجائے اس کے عمل کو مدنظر رکھے تو وہ دھوکہ کھانے سے بچ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں چیز نہایت مفید ہے' تو ذرا یہ بھی معلوم کرلیں کہ وہ خود بھی اس کا استعمال کرتا ہے یا نہیں۔ مومنین کو تو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر شدت سے متنبہ کیا ہے کہ: ''اے ایمان والو وہ بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں۔'' ۔ جو لوگ قرآنی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں وقتاً فوقتاً اپنے اعمال پر نظر ڈالتے رہنا چاہیے۔ ہر غلط عمل کے پیچھے جو منفی سوچ ہے اسے تبدیل کرنا ضروری ہے۔

قرآن کریم نے چودہ سو سال قبل جو راہنمائی تمام نوع انسانی کو دی اس میں منفی سوچ کو ''قلوب کا مرض'' قرار دیتے ہوئے اس کا علاج بتا دیا۔ کہ یہی ضابطہء حیات ''شفاء لما فی الصدور'' ہے۔ اس نے ساری دنیا کو چیلنج دیا ہے کہ: ''اللہ کسی قوم کی حالت تبدیل نہیں کرتا جب تک کہ وہ اپنے نفس میں تبدیلی نہ لائیں'' نفس میں تبدیلی کا دارومدار سوچ سے ہی ہے۔ اکثر احباب یہ چاہتے ہیں کہ جلد از جلد نظام بدل جائے لیکن اللہ کا قانون ان کی خواہشات کے تابع نہیں ہے۔ سب سے پہلے انہیں اپنے اعمال کا جائزہ لینا ہوگا کہ ان کا کونسا عمل قرآنی اقدار کے منافی ہے پھر اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اس کے بعد وہ سوچنے والے ذہنوں تک قرآن کریم کا پیغام پہنچاتے چلے جائیں اور نتائج اللہ کے قانون پر چھوڑ دیں۔

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآنِ مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو DVD پر دیکھا اور سنا جاسکتا ہے۔

قیمت 20 کراؤن فی سی۔ڈی علاوہ ڈاک خرچ میں طلب کیجئے۔

سی ڈی اور کتب کی خریداری ☆ بیرون ملک bazmdenmark@gmail.com

☆ اندرون ملک' فون: 5753666 42 92+' ای میل: trust@toluislam.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتویٰ کی حقیقت

جناب ڈاکٹر ازہر ازہری (ایم۔اے' پی۔ایچ۔ڈی) اپنی تالیف ''فتویٰ'' میں لکھتے ہیں:

☆ قرآن کے بیان کی رو سے فتویٰ کا مطلب ہے فرمانِ الٰہی یعنی Devine Directive۔

☆ قرآن کی چوتھی سورۃ النساء کی آیات 127 اور 176 میں اللہ نے فتویٰ کا ذکر کر کے اسے اپنی ذات سے منسوب کیا ہے۔

☆ اللہ نے اپنے آخری رسولﷺ کو انسانوں کے لئے قرآن کی شکل میں شریعت دے کر بھیجا لیکن اسے فتویٰ جاری کرنے کا اختیار نہیں دیا۔ جناب رسولﷺ صرف اللہ کے احکام کو انسانوں تک پہنچانے اور لوگوں کو ان پر عمل کرنے کی دعوت دینے کے پابند تھے نہ کہ دوسروں کو اپنے ذاتی احکام کا پابند بنانے کے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نے آج تک محمد رسول اللہﷺ کو مفتی محمدﷺ نہیں کہا۔

☆ جناب رسولﷺ کی وفات کے بعد دورِ خلافت میں بھی نہ تو خلفائے اربعہ مفتی ابوبکرؓ۔ مفتی عمرؓ۔ مفتی عثمانؓ اور مفتی علیؓ کہلائے اور نہ کسی دوسرے جلیل القدر صحابی کو مفتی عبداللہ بن عباسؓ اور مفتی عبداللہ بن مسعودؓ کا خطاب دیا گیا۔ اس تمام تر صورت حال میں آج گاؤں' گوٹھ' دیہات اور قصبات میں واقع زکوٰۃ و صدقات کی آمدنی سے چلنے والے مدارس کے فارغ التحصیل طلباء کو مفتی کی حیثیت سے کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے۔

☆ دورِ خلافت اور بعد کے زمانوں میں اسلامی مملکت کے وسیع ہو جانے کے سبب لوگوں کے درمیان معاملات اور قضیوں کا فیصلہ کرنے کے لئے دار القضا عدالت کا محکمہ (Adminsitration of Justice) اور قاضی (منصف Judge) کا منصب وجود میں آئے جن کا قیام' نگرانی اور دیکھ بھال حکومت وقت کی ذمہ داریوں میں شامل تھی۔ اس زمانہ میں دارالفتاء کے نام سے کسی ادارہ اور مفتی کے منصب کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ سُنّی فقہ کے امام اور بانی امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید قاضی القضاۃ (Chief Justice) قاضی ابو یوسف کا ذکر 'مفتی ابو یوسف' کے نام

سے کسی کتاب میں نظر نہیں آتا۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے مفتی اعظم ہند، مفتی اعظم پاکستان اور مفتی اعظم سعودی عرب وغیرہ کے وجود کا کیا جواز ہے۔

☆ دورِ حاضر میں دارالافتاء کے نام سے قائم کئے جانے والے نجی اداروں' ان سے تعلق رکھنے والے خود ساختہ مفتی حضرات کے وجود اوران کے جاری کئے ہوئے 'فتووں' کی کوئی دینی اورشرعی حیثیت نہیں ہے اور نہ مسلمان ان کو تسلیم کرنے کے پابند ہیں۔

☆ اصطلاح میں جنہیں مفتی (Muslim Jurist) کہا جاتا ہے ان کی حیثیت صرف قانون شریعت کے شارح (تشریح کرنے والا) کی ہے یعنی Expounder of Shariah Law اور ان کی ظاہر کی ہوئی رائے کو اصطلاحاً فتویٰ صرف اس وقت کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کی بنیاد قرآن کے احکام پر ہو۔

قرآن کے اندر ایسی بے شمار آیات موجود ہیں جن کا آغاز لفظ **یَسۡـَٔلُوۡنَکَ** (اے رسول! لوگ) ''تم سے سوال کرتے ہیں'' سے ہوتا ہے اور اس کے فوراً بعد فرمایا جاتا ہے **قُلۡ** ''تم ان لوگوں سے کہہ دو''۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے الفاظ کو آیت کی شکل میں رسول کی زبان سے ادا کرا کے لوگوں کو ان کے سوال کا جواب دلوا دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں۔ (1) سورۃ البقرۃ: 2' آیت 217' (2) البقرۃ آیت: 219 (3) اعراف: آیت 187۔

لیکن اوپر ذکر کی گئی بے شمار آیات کے برخلاف پورے قرآن میں صرف دو آیات ایسی ہیں جن کی ابتداء **یَسۡـَٔلُوۡنَکَ** (اے رسول! تم سے سوال کیا جاتا ہے) کے بجائے **یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ** (اے رسول! لوگ تم سے فتویٰ معلوم کرتے ہیں) سے ہوتی ہے اور پھر فرمایا جاتا ہے: **قُلِ اللّٰہُ یُفۡتِیۡکُمۡ** (کہہ دو! اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے)۔

نہایت غور وفکر کے ساتھ اس نکتہ پر توجہ مرکوز کریں کہ **یَسۡـَٔلُوۡنَکَ** سے شروع ہونے والی آیات میں ہر مقام پر اللہ نے رسول سے فرمایا: **قُلۡ** یعنی تم لوگوں سے کہو اور اس کے بعد جواب کو رسول سے منسوب کر دیا لیکن **یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ** والی صرف دو آیات میں سے کسی ایک میں بھی اللہ نے رسول سے یہ نہیں فرمایا کہ تم انہیں فتویٰ دے دو بلکہ فرمایا کہ ''کہو! اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے''۔ اس باریک نکتہ کو مزید واضح کرنے کے لئے ہم دونوں آیات مع ترجمہ کے نقل کر رہے ہیں' نہایت توجہ کے ساتھ ملاحظہ کریں:

(1) **وَیَسۡتَفۡتُوۡنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِیۡہِنَّ** (النساء 4' آیت 127)۔

(اے رسول!) لوگ تم سے عورتوں کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہو اللہ تمہیں ان کے معاملہ میں فتویٰ دیتا ہے۔

They ask from you instruction

concerning women. Say: Allah instructs you about them.

(2) یَسْتَفْتُونَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ (النساء4' آیت176)۔

(اے نبی!) لوگ تم سے کلالہ کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔کہواللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے۔

They ask you for a legal decision. Say: Allah directs (thus) about those who leave no descendants or ascendants as heirs.

آپ نے غور کیا؟ فتویٰ رسول سے پوچھا جارہا تھااس لئے قرآن کے عام اسلوب کے مطابق جواب اس قسم کا ہونا چاہئے تھا کہ اے رسول! تم انہیں فتویٰ دے دو لیکن اللہ نے فتویٰ دینے کا اختیار رسول کو بھی نہیں دیا بلکہ واضح الفاظ میں فرمایا: ''کہواللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے''۔

قرآن کی منقولہ بالا دونوں محکم آیات اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہیں کہ ''مفتی'' (فتویٰ دینے وال) صرف اور صرف اللہ رب العالمین ہے اور اس کے نازل کئے ہوئے تمام احکام ''فتویٰ'' ہیں خواہ وہ ''اَمر'' (حکم۔ Do) کی شکل میں ہو یا ''نہی''(Do not) کی۔اس حقیقی صورت حال میں اس بات کا کیا جواز ہے کہ مذہبی علماء اور مدارس سے تعلق رکھنے والے درس نظامی کے فضلاء ''مفتی'' کے خودساختہ منصب پر فائز ہوکر غیراز قرآن ماخذ کی بنیاد پر خلاف قرآن بلکہ بعض اوقات قرآنی تعلیمات سے متصادم فتوے صادر کریں اور حلال وحرام کے خانہ ساز فیصلے کرنے کے علاوہ اپنے مخالفین کو قابل گردن زدنی اور واجب القتل تک قرار دے ڈالیں۔

قرآنی مفہوم میں ایک انسان کا خود کو مفتی کہنا' مفتی سمجھنا اور دوسروں سے مفتی کہلوانا یا دوسروں کا کسی انسان کو مفتی سمجھنا' مفتی قرار دینا یا مفتی لکھنا منصب الٰہی پر دعویٰ کرنے کے مترادف' شرک فی الصِّفتِ الٰہی' غیر شرعی' قطعاً ناجائز اور مطلقاً حرام ہے۔

روزنامہ جنگ لاہور کی 3 جنوری 2001ء کی اشاعت میں شائع ہونے والی نہایت اہم خبر کے مطابق بنگلہ دیش ہائی کورٹ نے ایک فیصلے کے تحت علماء کے جاری کردہ فتوے غیرقانونی قرار دے دیئے اور عدالت نے پارلیمنٹ سے کہا ہے کہ آیا قانون بنایا جائے کہ فتوے جاری کرنا قابلِ دست اندازی پولیس فعل بن جائے۔بی بی سی کے مطابق ہائی کورٹ نے فتویٰ جاری کرنے کو ناصرف غیر قانونی قرار دیا بلکہ پولیس مجسٹریٹوں کو ہدایت کی کہ اگر کوئی مولوی فتویٰ جاری کرے تو فوری طور پر کارروائی کی جائے۔ اس فیصلہ کی اہمیت کے پیش نظر یہ خبر لفظ بلفظ نیچے نقل کی جارہی ہے۔

''بنگلہ دیش ہائی کورٹ نے علماء کے فتوے غیر قانونی قرار دے دیئے۔

فتوے جاری کرنا غیر قانونی فعل ہے۔ پارلیمنٹ ایسا قانون بنائے جس سے فتویٰ جاری کرنا قابلِ دست اندازی پولیس فعل بن جائے۔ عوام کو عائلی قوانین سے واقف کرایا جائے۔ امام جمعہ کے خطبات میں اس کی وضاحت کریں اور ثانوی اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اسے پڑھایا جائے۔ عدالت کا حکم۔ (جنگ لاہور 2001-1-3)

لندن (ریڈیو رپورٹ) بنگلہ دیش ہائی کورٹ نے ایک فیصلے کے تحت علماء کے جاری کردہ فتوے غیر قانونی قرار دے دیئے ہیں اور عدالت نے پارلیمنٹ سے کہا ہے کہ ایسا قانون بنایا جائے کہ فتوے جاری کرنا قابل دست اندازی پولیس فعل ہو جائے۔ بی بی سی کے مطابق ہائی کورٹ نے فتوے جاری کرنے کو نا صرف غیر قانونی فعل قرار دیا ہے بلکہ پولیس مجیسٹریٹوں کو ہدایت کی ہے کہ اگر کوئی مولوی فتویٰ جاری کرے تو فوری طور پر کاروائی کی جائے یہ فیصلہ اوگام کے ایک جوڑے کے مقدمے پر دیا گیا ہے۔ سیف الاسلام اور اس کی بیوی شاہدہ کے مابین علیحدگی ہو گئی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے پھر شوہر اور بیوی کی حیثیت سے رہنے کا فیصلہ کیا جس پر ایک مولوی صاحب نے حلالہ کا فتویٰ دیا کہ پہلے شاہدہ ایک اور شخص سے شادی کرے اور اس سے طلاق لے اور اس کے بعد سیف الاسلام سے اس کی دوبارہ شادی ہو سکتی ہے۔ ہائی کورٹ کا کہنا ہے کہ اول تو ان کے درمیان طلاق نہیں ہوئی تھی اور اگر ہو بھی جاتی تو 1961ء کے عائلی قوانین کے تحت حلالہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ عدالت نے حکم دیا ہے کہ عائلی قوانین سے عوام کو پوری طرح واقف کرایا جائے اور مساجد کے امام جمعہ کے خطبات میں اس کی وضاحت کریں اور ثانوی اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ایک مضمون کے طور پر اسے پڑھایا جائے۔''

پاکستان گورنمنٹ سے بھی استدعا ہے کہ بنگلہ دیش ہائی کورٹ کے مذکورہ بالا فیصلہ کی روشنی میں وہ بھی پارلیمنٹ سے ایسا قانون بنوائے کہ پاکستان میں بھی فتوے جاری کرنا قابلِ دست اندازی پولیس فعل بن جائے تاکہ پاکستانی عوام بھی فتویٰ باز مولویوں کے ناجائز اور غیر قانونی حلالہ کے فتوؤں' کافر گری کے فتویٰ' میاں بیوی کے نکاح ٹوٹ جانے اور دوبارہ نکاح پڑھوانے وغیرہ کے فتوؤں سے محفوظ و مامون ہو جائیں۔

پاکستان میں
غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔رابطہ۔گل بہار صاحبہ 234-KL کیہال۔رابطہ: شیخ صلاح الدین، فون۔0992-334699، موبائل0321-9813250	بروز جمعہ بروز جمعہ	10AM بعد نماز جمعہ
اسلام آباد	برمکان ڈاکٹر انعام الحق، مکان نمبر 302، سٹریٹ نمبر 57، سیکٹر F-11/4 رابطہ: ڈاکٹر انعام الحق، فون نمبر 051-2290900، موبائل: 0333-5489276	بروز اتوار	11AM
اوکاڑہ	برمکان احمد علی، بیت الحمد، 180-AB-4، شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3PM
پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین۔رابطہ فون نمبر:	بروز جمعہ	3PM
جہلم	جنجوعہ ٹاؤن، پوسٹ آفس فوجی ملز، نزد بیکن ہاؤس سکول۔رابطہ فون نمبر:	ہر ماہ پہلی اور آخری اتوار	4PM
چوٹی زیریں	بردوکان لغاری برادرز، زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	11/9-W، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: آفتاب عروج، فون: 047-6331440-6334433۔	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدر آباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدر آباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔رابطہ فون: 022-654906	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964	بروز جمعہ بروز اتوار	4PM 4PM
راولپنڈی	برمکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہِ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلّہ نظام آباد، وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔فون نمبر گھر: 068-5575696، دفتر: 068-5577839	بروز جمعہ	3PM

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی' سٹی ہاؤس' سٹی سٹریٹ' شہاب پورہ روڈ' رابطہ: محمد حنیف' 03007158446۔ محمد طاہر بٹ' 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM
سرگودھا	4-B' گلی نمبر 7' بلاک 21' نزد مکی مسجد چاندنی چوک' رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل	7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر' فرسٹ فلور' مین ڈگلس پورہ بازار' رابطہ: محمد عقیل حیدر' موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ	4PM
فتح پور' سوات	فتح پور' سوات' رابطہ: خورشید انور' فون: 0946600277' موبائل: 0303-8621733 محترم ظاہر شاہ خان آف علی گرام' سوات کا ڈیرہ۔ موبائل: 0346-9467559	بروز اتوار ہر اتوار	3PM 9AM
کراچی کراچی کراچی کراچی	105 سی بریز پلازہ' شاہراہ فیصل۔ رابطہ شفیق خالد' فون نمبر: 0300-2487545 A-446 کوہِ نور سنٹر' عبداللہ ہارون روڈ' رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083' موبائل: 0300-2275702 ڈبل اسٹوری نمبر 16' گلشن مارکیٹ' کورنگی نمبر 5۔ رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409' موبائل: 0321-2272149 نالج اینڈ وزڈم سنٹر' ڈی۔2' گراؤنڈ فلور' ڈیفنس ویؤ' نزد اقراء یونیورسٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون نمبر: 021-35421511' موبائل: 0333-2121992' محمود الحسن۔ فون: 021-35407331	بروز اتوار بروز اتوار بروز اتوار بروز اتوار	10AM 10AM 2PM 11AM
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ فون: 081-825736	بروز اتوار	4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری' گل روڈ' سول لائنز۔ رابطہ: موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
لاہور	25-B' گلبرگ 2' (نزد مین مارکیٹ' مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546	بروز اتوار	10AM
لاڑکانہ	بر مکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ محلہ جاڑل شاہ' رابطہ فون: 074-4042714	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد' (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1' محلہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-502878	بروز جمعہ	10 AM
نواں کلی' صوابی صوابی	رابطہ بابو اسرار اللہ خان' معرفت ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق' محلہ خدر خیل۔ فون نمبر: بمقام چار باغ' (حجرہ ریاض الامین صاحب)' (رابطہ: انچارج یوٹیلیٹی سٹورز' مردان روڈ' صوابی) فون نمبرز: 250092, 250102, 310262(0938)	بروز اتوار بروز اتوار	10 AM 3 P.M

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خریدار حضرات خصوصی توجہ فرمائیں

جن خریدار حضرات کی زرِ شرکت ماہنامہ طلوع اسلام ختم ہو چکی ہے وہ برائے مہربانی جلد از جلد ادارہ کو ارسال فرمائیں۔ شکریہ

LAWS OF NATURE

By

Maj Gen (Rtd) Ihsan-ul-Haq

Since the dawn of civilization, man has been trying to figure out the purpose for which the universe has been created as well as his own purpose in life. This is a healthy discussion and it is to the credit of man that he has evolved from the stone age to modern times with his efforts. The pessimists believe there is no purpose to life. God has created all this for his amusement. Man is destined to play his allotted role. When God has had His fill of the stage play, He will fold up the entire universe. End of game. There are others who do not believe in a God. The universe came about by some laws, argue. Man is trying his best to make something of it. He may or may not succeed in achieving his objective, if He has any. In course of time, men and universe will disappear as they came about. The optimists are of the view that the universe has been created with a purpose. Man has freedom of will and action and by his hard work he has brought about a modicum of peace and plenty. He will continue his hard work until he achieves universal peace and plenty. The philosophers have not yet decided what will happen after that. Religion has contributed a theory that on a certain day, this world will be destroyed. The dead will be resurrected. God will reward the good people with everlasting paradise and the bad people will be make to live in hell for ever. End of discussion.

The Quran offers its own theory in this regard. It does not quote quantum physics or higher mathematical equations to support its argument. But, it encourages human beings to do so and deliberate about various phenomena in the universe. The Quran claims that after long thinking, with trail and error, human beings will come round of the same theory as is offered by the Quran. The theory generally supports the optimist view. It states that there was definite purpose for the creation of the universe.

وخلق الله السماوات والارض بالحق ولتجزى كل نفس بما كسبت وهم لايظلمون.

"God has created this universe with a definite and creative purpose and the purpose is that forces of nature would ensure that every human beings actions would bring about appropriate results. No effort will go wasted." 45/22

اليه مرجعكم جميعا وعد الله حقا انه يبدؤ الخلق ثم يعيده ليجزي الذين امنوا وعملوا

الصالحات بالقسط والذين كفروا لهم شراب من حميم وعذاب اليم...

"All your actions will create results according to God's laws. Never ever will there be a deviation from this rule. God has initiated the creation of this universe and then has been completing it through various phases with the sole purpose that actions of believing people who do good, result in good in full measure, without

doing the slightest injustice to the work done. On the other hand, the actions of those people who do not believe in God's laws and do not work in conformity with them, result in destruction and pain." 10/4

So much, in brief, for the purpose for which the universe was created. Now, how about human beings? What is the object of life?

وماخلقت الجن والانس الا ليعبدون.

"We have created civilized and uncivilized people (Jinn-wal-Ins) only for one purpose and that is that they should of their own accord act in accordance with God's laws in all spheres of life." 51/56

Man has been given freedom of action. It is entirely his own discretion whether he believes in God's laws or not and it is also entirely upto him whether he acts in conformity with those laws or not. His aim in life should be to willingly obey God's laws and act accordingly. This will result in a stable, peaceful and prosperous universe - an aim worth struggling for. According to the Quran, it is potentially possible for human beings to achieve such an objective.

ولقد كرمنا بني ادم وحملناهم في البر والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضلناهم....

"We have given human beings the potential to achieve great dignity amongst the forces of nature. He has the capacity to conquer the land and the seas and can acquire means of sustenance for himself and all others in the universe. So, with his actions, he can prove himself to be superior to most other creation in the world." 17/70

It stands out that it would help humanity if they could know all the laws of nature so that man could fulfill his aim in life by following them. It would also be important to know how those laws work and what would indicate whether man was in fact following the laws of nature. Such indicators would help set a man on the right path whenever results produced by deviation from it would warn that there is danger ahead. This is the aim of this chapter. Value systems recommended for adoption in individual and collective lives have already been enumerated in previous chapters. The aim here is to describe the nature of those value systems and under what rules they operate.

The Quran clearly recommends that there should be only one comprehensive value system and that should be adopted in full. There should be no mixing up of value systems to obtain full results. The value system recommended by the Quran is Islam, as has been discussed before.

ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الاخرة من الخاسرين.

"And whosoever seeks an ideology other than Islam, it will not serve him fully. In the final analysis, he will be a loser." 3/85

Such an ideology must not be forced on human beings. They will work according to it with their hearts and soul only if they are persuaded into it.

قد جاءكم بصائر من ربكم فمن ابصر فلنفسه ومن عمي فعليها ومااناعليكم بحفيظ.

"A clear ideology with its rationale has come to you from your Lord. So, whoever is convinced of its usefulness, it will be good for him. And, whoever does not see any logic in it, he is free to reject it. The consequences will not be good. It must be clear that if you do not accept divine laws, you can not ask Him for protection under the law." 6/104

God has spoken His last word. The ideology given by Him has been completely stated. There will be no additions or subtractions. This is a complete package. It is upto you to accept or reject the package. If you introduce other people's ideologies in it, you will not be guaranteed full results.

وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا لامبدل لكلماته وهو السميع العليم. وان تطع اكثر من في

الارض يضلوك عن سبيل الله ان يتبعون الا الظن وان هم الا يخرصون.

"And the word of your Lord has been completed, truly and justly. There is none who can change His word. And, if you obey ideologies given by most other people, other than God, they will only lead you astray." 6/115 -116

Following divine ideology is no bed of roses. There will be hardships on the way. To obtain full value from this package, you have to stick to it whatever the difficulties.

ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكة الا تخافوا ولاتحزنوا وابشروا بالجنة

التي كنتم توعدون.

"Those who accept God's ideology and then remain steadfast in following it through, the forces of nature work in partnership with them and keep telling them not to fear nor be grieved or anxious. They are assured of a peaceful and prosperous future, a guaranteed result of this steadfastness." 41/30

People who follow the laws of God steadfastly will continue to make progress towards a peaceful and prosperous life.

"That you will certainly ascend to one state after another" 85/19.

واشرقت الارض بنور ربها ووضع الكتاب وجئ بالنبيين والشهداء....

"Until, universe brightens up from one end to the other with the light of the Lord and His writ will be large everywhere." 39/69

Whereas, human beings are free to adopt any course of action, they have no choice in determining the consequences of their actions. The laws governing the logical consequences of all deeds, good or bad, are very strict and very clear. They are laid out in great detail in the Quran and it is good for the growth and nourishment of humanity that such laws governing accountability are clearly stated and are not allowed to be violated by any body, howsoever, powerful. God starts with himself.

قل لمن مافي السماوات والارض قل لله كتب على نفسه الرحمة ليجمعنكم الى يوم القيامة

لاريب فيه الذين خسروا انفسهم فهم لايؤمنون.

"Tell them that it is God's laws which operate in the universe. He has made it incumbent upon Himself that He will continue to nourish humanity, whatever the provocation or temptation. To achieve this, arrangements for accountability have been made and nobody, including God Himself, will be allowed to disturb those arrangements. (This is in the interest of growth of humanity). Those of you who do not believe this, will only harm themselves." 6/12

The cardinal principle is that no action, however inconsequential it may look, will go un-rewarded.

فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره. ومن يعلم مثقال ذرة شرا يره

"So, he who does an atom's weight of good will see its consequences. And, he who does an atom's weight of evil will see its consequences". 99/7-8.

A man's good and evil deeds are being evaluated constantly. Sometimes he commits grave offences, at others he acts in a very noble manner and occasionally he makes minor errors of judgment. In balance of things, many highly noble deeds will do away with the harms of some bad deeds.

....ان الحسنات يذهبن السيئات..

"Surely, good deeds take away some effect of evil deeds." 11/114

And if one avoids grave offences, the effect of minor lapses is considerably decreased.

ان تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيئاتكم وندخلكم مدخلا كريما.

"And, if you shun grave offences which you are forbidden, We shall considerably decrease or even do away with the effect of minor lapses and cause you to enter an honorable place of entering." 4/31

In determining rewards and punishments, Allah does complete justice.

ان الله لايظلم مثقال ذرة وان تك حسنة يضاعفها ويؤت من لدنه اجرا عظيما

"Surely, Allah wrongs not the weight of an atom: and if it is good deed, He multiplies it and gives from Himself a great reward. " 4/40

To persuade humanity to do good deeds, God gives them an incentive.

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها ومن جاء بالسيئة فلايجزى الا مثلها وهم لايظلمون

"Whoever brings a good deed will have tenfold like it and whoever brings out an evil deed, will be re-compensated only with the like of it, and they shall not be wronged." 6/160

Each individual is responsible and accountable for his own acts of omission or commission. He can not get away from the consequences of his actions.

وكل انسان الزمناه طائره في عنقه ونخرج له يوم القيامة كتابا يلقاه منشورا. اقرا كتابك كفى بنفسك اليوم عليك حسيبا. من اهتدى فانما يهتدي لنفسه.

"And, we have made every man's actions to cling to his neck. And, we shall bring forth to him at the time of accountability, a book that he will find wide open. Read these books, he will be told. You are the best witness against yourself. Whoever tread the right path, it was for his own good. Whoever strayed on the wrong path, he will bear the consequences. The law is that no bearer of a burden will bear the burden of another." 17/13-15

An individual may escape the law made by humans or bribe it to avoid punishment for his bad deeds. But each bad deed will so affect his personality that he will become a lesser man on the commitment of an offence even though he may safe his body by unjust means. However, God will judge him with complete justice.

ونضع الموازين القسط ليوم القيامة فلاتظلم نفس شيئا وان كان مثقال حبة من خردل اتينا بها وكفى بنا حاسبين.

"And, We will set up a just balance at the time of accountability so that no one will be wronged in the least, and if there be the weight of a grain of mustard seed, We will bring it out." 21/47.

He will only be held responsible for his own actions.

تلك امة قد خلت لها ماكسبت ولكم ماكسبتم ولاتسألون عما كانوا يعملون

"Those are a people that have passed away; and for them is what they earned and for you what you earn, and you will not be held accountable for what they did." 2/141

Whereas nations are, no doubt, accountable for their collective acts of omission or commission, it does not absolve individuals from personal accountability

ولقد جئتمونا فرادى كما خلقناكم اول مرة وتركتم ماخولناكم وراء ظهوركم ومانرى معكم شفعاءكم الذين زعمتم انهم فيكم شركاء لقد تقطع بينكم وضل عنكم ماكنتم تزعمون.

"On this day of accountability, you have come to Our jurisdiction entirely on your own as you were first created. You have left behind you what you owned (your possessions will not help you if you are trying to escape the consequences of your actions with their support). We do not see with you your friends and colleagues whom you thought would intercede on your behalf. All your connections with whom you thought would keep you protected are broken. You are on your own." 6/94

Only such people will give evidence about your character who can be relied upon to tell the truth and nothing but the truth. Nobody can intercede on your behalf by stating lies.

واتقوا يوما لاتجزي نفس عن نفس شيئا ولايقبل منها شفاعة ولايؤخذ منها عدل ولاهم ينصرون.

"And beware of the day of accountability when no person will be of any help to another person, neither will intercession be accepted on his behalf nor will compensation be taken from him nor will they be helped." 2/48

The Quran stresses the importance of accountability by going into details of history of nations to prove how compliance with laws of nature or rejection thereof has resulted in rise and fall of nations. I shall summarize it all by quoting extensively form chapter - 20.

كذلك نقص عليك من انباء ماقد سبق وقد اتيناك من لدنا ذكرا. من اعرض عنه فانه يحمل يوم القيامة وزرا. خالدين فيه وساء لهم يوم القيامة حملا. يوم ينفخ في الصور ونحشر المجرمين يومئذ زرقا. يتخافتون بينهم ان لبثتم الا عشرا. نحن اعلم بما يقولون اذ يقول امثلهم طريقة ان لبثتم الا يوما. ويسالونك عن الجبال فقل ينسفها ربي نسفا. فيذرها قاعا صفصفا. لاترى فيها عوجا ولاامتا. يومئذ يتبعون الداعي لاعوج له وخشعت الاصوات للرحمن فلاتسمع الا همسا. يومئذ لاتنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن ورضي له قولا. يعلم مابين ايديهم وماخلفهم ولايحيطون به علما. وعنت الوجوه للحي القيوم وقد خاب من حمل ظلما. ومن يعمل من الصالحات وهو مؤمن فلا يخاف ظلما ولاهضما.

"This way, we narrate for you some history of previous nations. This indicates to you the rationale of rise and fall of nations. Whoever rejects divine system, bears the consequences of his rejection at the time of retribution. He remains in this sad state for as long as he continues to reject. And, evil is the burden at the time of accountability. As for your opponents, the day is near when the trumpet of war will be sounded on account of their insistence on creating unrest. Then, the guilty will be gathered, blured eyed, blinded with fear. They will by whispering to each other that the life of plenty that they thought would last for ever, lasted for only a few (ten) days. We know what they will be saying to each other on that day. In fact, the more knowledgeable among them will say that it lasted only a day or part of it. And, they ask you what will happen to these mighty, powerful people, stable looking as mountains. Tell them, they will be scattered as dust. The inequities created by them will disappear. You will see they will no longer be crooked and all distinctions of high and low will disappear. From that time on, people will follow in the footsteps of revolutionaries in whom there is no crookedness. All the loud noises of opposition to laws of God will vanish. You will only hear the soft voice of footsteps, following new leaders. At that time, no intercession of any type will be accepted except absolutely true evidence, acceptable according to the laws of God. All this will happen because of what they have done in the past and how their evil deeds will catch up with them. At present, they refuse to comprehend all this. And, faces shall be humbled before the living, self-subsistent God, and he who bears inequity is indeed undone. And, whoever does good works believing in divine value system, has no fear of injustice nor of the withholding of his due." 20/99-112

In a similar view in another passage the Quran says.

المال والبنون زينة الحياة الدنيا والباقيات الصالحات خير عند ربك ثوابا وخير املا. ويوم نسير الجبال وترى الارض بارزة وحشرناهم فلم نغادر منهم احدا. وعرضوا على ربك صفا لقد جئتمونا كما خلقناكم اول مرة بل زعمتم الن نجعل لكم موعدا. ووضع الكتاب فترى المجرمين مشفقين مما فيه ويقولون ياويلتنا مال هذا الكتاب لايغادر صغيرة.

"Wealth and children are an adornment in the short run. But, the ever abiding good works, (works undertaken for the good and nourishment of entire humanity rather than strictly selfish good), are better with your Lord in reward and better in hope. And, the day will soon come when the mighty and the powerful will be cut to size and lower category people will rise in their status so that all parts of the society are on an even keel. No one will be left behind another. At that time, will all people be in one rank according to the divine law of nourishment and nations will be restored to their original condition at the time of creation when there was no difference of high and low. The mighty thought it will never happen. They will see that it has. At that time, divine laws will be in force and everybody, without exception, will be made to respect those laws. The exploiters will cry out as to what sort of laws are these. They encompass all aspects of life, big and small and are applicable to all - high and low.

Everybody, is immediately made to account for his actions and the results come out without loss of time. And, every case is decided on merit." 18/46-49

A very large part of the Quran, may be as much as full one third of it, is devoted to the narration of how divine laws of accountability have been in force in the history of human kind and how they will continue to operate for all times to come.

History of civilization, so far, proves this point. At various critical times in history, when evil seems to be prevailing, revolutionaries have changed the course of history in various places at various times. Successive super powers have brought about justice, fair play, peace and plenty at least as much as they could in their times. Civilization marches on. So far, times have changed for the better. Indication are that in spite of long periods of lapses, a larger segment of humanity will continue to get a better deal until Utopia - hopefully!

Since generations, an erroneous concept has grown among Muslims that accountability will take place on a particular day, The Day of Resurrection. Broadly, according to this theory, a man's acts of omission and commission are being recorded in this life and evaluation takes place in life after death when he is sent to heaven or hell according to his record. Mysticism, and institution alien to the Quran, stepped into this and taught that this world is not of much importance, that life here is only transitory in which a man is being constantly judged by being put through various tough situations to test him out and that real and abiding life is only after death when real and abiding reward and punishment will be awarded. The adoption of this concept has led to a highly disastrous consequence. The Muslims started to disregard the value of life in this world.

Any achievements here were termed as material and to be shunned in favor of so-called spiritual achievements, which would demonstrate their results in life after death. This concept is a complete contradiction of the Quranic concept of accountability and, therefore, a real understanding of the Quran becomes impossible when you approach it with this non-Quranic theory firmly fixed in your mind as truly Islamic. According to the Quran 'Youm'(یوم) is not a particular day or time but all days and times of accountability and 'Qiyamah'(قیامة) is not only in life after death but very much in this world as well, here and now. A man and nations are constantly being judged according to a divine value system and many a nation and individual has had his 'Qiyamah' (قیامة).

The history or rise and fall of nations, picturesquely, described in the Quran, is a direct witness to this fact. For example, Prophet Muhammad worked hard for good of humanity. The Quresh opposed him. Trumpets of war sounded. The Quresh had their day of 'Qiyamah'(قیامة). They were stripped of power. Prophet Muhammad had his day of 'Qiyamah'(قیامة). His people were spared a life of misery, hunger, torture and slavery and started to live a peaceful, free, prosperous and dignified life. These two types of lives are termed as 'Jahannum' and 'Jannat' in the Quran and they are described in great detail, occasionally in symbolic terms and much of the time in clear, unambiguous language. Men and nations are told that they have to achieve these states of life as a result of their

own hard work or lack of it. Men and nations who, by dint of their own effort and by strictly following divine value system, achieve as near a state of 'Jannat' as they can, graduate in to next stage of life after their physical death. The body withers off but Momin's personality never dies. He lives on. That is life after death. The Quran does not describe the details of that life because we have a limitation. We can only conceive what we can perceive. But the man is ever curious. He wants to know details of what he will see in life after death.

The Quran satisfies his curiosity by comparing the hereafter with some characteristic of our worldly 'Jannat', but, of course, 'Jannat' of the hereafter will be much, much better.

مثل الجنة التي وعد المتقون تجري من تحتها الانهار اكلها دائم وظلا......

"Jannat promised to good men can only be described by comparison with something that you see. It is like a garden with an ever-flowing supply of water. It gives fruit and provides shades in all seasons." 13/35

Man is asked not to waste his time trying to figure out exactly what 'Jannat' in after life will be like.

فلا تعلم نفس مااخفي لهم من قرة اعين جزاء بما كانوا يعملون.

"It is not possible for you to comprehend what refreshment of the eyes is hidden from you – just reward for your constructive actions." 32/17

As for those who only create unrest and unevenness in societies in this world and do not do anything constructive for nourishment of humanity, they perish away after death. Their growth stops. This is what is meant by 'Jaheem', to waste away.

فذوقوا بما نسيتم لقاء يومكم هذا انا نسيناكم وذوقوا عذاب الخلد بما كنتم تعملون.

"On the day of your death, We just forget about you and have nothing to do with you any more just as you had forgotten that a day will arrive when your growth will stop because of debit balance in your account of action." 32/14

For thinking people, this is a very grievous punishment. I conclude from this discussion that the Quran exhorts us to improve our individual and collective life in such a way that it reflects 'Jannat' as described by it. And, we must ensure that we do not get drawn into 'Jaheem' as described by it on account of our evil deeds. Whichever people work according to divine laws, succeed in achieving results promised as a result of their actions.

These results can be seen. This reassures the people that they are in fact working in congruity with the laws of Allah and that these laws do, in fact, produce results as guaranteed. If a people are sure that they are on the right path but their efforts produce no results, it is a sure indicator that either they are not, in fact, on the right path although they think they are, or the laws of Allah can not be relied upon to produce guaranteed

results. The Quran rejects the latter thought. Therefore it is for the people to determine where they have gone wrong in understanding divine laws. The laws of accountability are, therefore, a great help for the people who can check at each stage whether their comprehension of divine value system is correct?

ان الذین امنوا والذین هادوا والصابئین والنصاری والمجوس والذین اشرکوا ان الله یفصل بینهم یوم القیامة ان الله علی کل شئ شهید.

"Those who believe and those who are Jews and Sabeans and the Christians and the Magians and the polytheists. Surely, Allah will decide between them at the time of accountability. Surely, Allah properly supervises over all." 22/17

The accountability is here and now, as well as, in the hereafter. At least, so far, as here and now is concerned, it is quite clear as to which of the people mentioned above are close to desirable way of life.

Laws of nature take time to produce results.

ولاتهنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین.

"When you are working in congruity with Allah's laws, do not get upset or be anxious when you do not see results quickly. You are bound to obtain the upper hand." 3/139

But if you keep your options open with regard to divine value system and working accordance with it when it is to your advantage and reject it when you do not seem to be personally benefiting or you may proclaim that you are a firm believer but not act according to them at all, then you will be amongst the lowest of the low.

ان المنافقین في الدرك الاسفل من النار ولن تجد لهم نصیرا.

"Surely, those who do not put their faith in divine values but keep their options open working only in self interest, will be in the lowest depth of the Fire. You will find that nobody can help them." 4/145

Logically, therefore, it can be concluded that those who have an upper hand, are closer to divine value system than those who are the lowest of the low. The history of rise and fall of nations demonstrates the truth of this conclusion. The Babylonians, Israelis, Romans, Muslims, the Anglo Saxons and in these time, the Americans have been super powers when they were on a higher pedestal of moral values and were working not only for their own benefit but making the forces of nature work for the benefit of humanity at large. They were reduced in their status in the comity of nations when they let go of their higher moral value systems. They, no longer, had the upper hand. This law has been applicable in the past, is applicable now and will continue to be applicable for all times to come. Let, the super powers beware !

وماخلقنا السماء والارض ومابينهما لاعبين.

"We have not created this universe for sport. There is a definite purpose to it." 21/16

And the purpose is;

بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فاذا هو زاهق ولكم الويل مما تصفون.

"There is a constant conflict between the constructive forces of truth (Haqq) and the destructive forces of falsehood (Batil). The constructive forces of truth keep knocking out the destructive forces of falsehood. Falsehood is defected. It disappears. It is a great pity that you do not comprehend this but keep thinking of universe your own way." 21/18

But this is not the end of the road for people who are hurled into the lowest of the low provided they are prepared to help themselves. Once they are reduced in status, fiery nations with imperialist design pounce upon them to exploit their weakness for their own benefit. This exploitation should rekindle in these down and out nations a desire to get out of their lethargy and start a new life, full of energy and desire for benefiting mankind. If they avail of this chance, they emerge once again as nations with a higher status.

(Continue)

====================

ENJOY YOUR STAY AT
NEAR RAILWAY STATION – LAHORE

- T.V. & FAX
- TELEPHONE EXCHANGE
- LIFT, INTERNET
- AIR-CONDITIONED
- CAR PARKING
- EXCELLENT SERVICE

PH:0092-42-36365908-12, FAX: 0092-42-36311923,
E-mail:hotel_parkway@yahoo.com

ISLAM AND MEDICINE

By

Dr. Saba Anwar

================================

Islam teaches individuals and societies how to live a physically, mentally and morally upright life. The Islamic legal system, derived from Quran aims at creating a healthy environment that will have a positive effect on individual's physical, mental and spiritual development.

At a physical level Quran encourages healthy eating and at the same time forbid all substances that cause bodily harm: intoxicants, drugs and so forth. Fruits and vegetables, dates, yogurt, honey, black seeds are specially emphasized for their nutritious quality and healthy benefits. The Quran also addresses various diseases, specially of heart, which often lead to direct or indirect physical and mental ailments. But its primary focus is on moral and ethical diseases. The Quran itself is referred to as book of healing.

From an Islamic perspective health is viewed as one of the greatest blessings that God has bestowed on mankind. Health is indeed a favour that we take for granted. We should express gratitude to God for bestowing us with health and we should try our upmost to look after it. God has entrusted us with our bodies for a set period of time. He will hold us to account on how we looked after and utilized our bodies and health.

Healthy living is a part and parcel of Islam. Quran outlines the teachings that show every Muslim how to protect his health and live life in a state of purity. Daily prayers, fasting, healthy wholesome food in moderate quantity and prohibition of intoxicants automatically lead to a healthy lifestyle.

May we all live life in a state of purity and utilize it with our best efforts and devotion. Ameen.

===================

ENGLISH PAMPHLETS BY IDARA TOLU-E-ISLAM

☸	Are All Religions Alike	5
☸	How Sects can be Dissolved?	5
☸	Islamic Ideology	5
☸	Man & God	5
☸	Quranic Constitution in an Islamic State	5
☸	Quranic Permanent Values	5
☸	What is Islam?	5
☸	Why Do We Celebrate Eid?	5
☸	Why Do We Lack Character?	5
☸	Why is Islam the Only True Deen?	5
☸	Woman in the Light of Quran	5
☸	As-Salaat (Gist)	15
☸	Economics System of the Holy Quran	15
☸	Family Planning	15
☸	Human Fundamental Rights	15
☸	Is Islam a Failure?	15
☸	Man & War	15
☸	Rise and Fall of Nation	15
☸	Story of Pakistan	15
☸	The Individual or the State	15
☸	Unity of Faith	15
☸	Universal Myths	15
☸	Who Are The Ulema?	15